بڑے شہر کا بڑا چاند
(باتصویر بچّوں کی کہاوتوں کا مجموعہ)
ڈاکٹر شریف احمد قریشی

بڑے شہر کا بڑا چاند

(باتصویر بچّوں کی کہاوتوں کا مجموعہ)

ڈاکٹر شریف احمد قریشی

2020

کتاب کا نام	:	بڑے شہر کا بڑا چاند
مصنف و ناشر	:	ڈاکٹر شریف احمد قریشی
		ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو،
		مہاراجا ہرش چندر، پوسٹ گریجویٹ کالج، مُرادآباد
		سابق ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو
		گورنمنٹ رضا پوسٹ گریجویٹ کالج، رام پور، 244901
آبائی پتہ	:	محلّہ شیو پوری، صدر بازار، گھاٹم پور، ضلع کان پور 209206
مستقل پتہ	:	جین مندر اِسٹریٹ، پھوٹا محل، رام پور، 244901
سالِ اشاعت	:	2020
تعدادِ اشاعت	:	400
قیمت	:	₹ 200
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	شہپر شریف

ISBN : 819276145-2

مطبوعہ

پرنٹولوجی اِنک

۲۶۶۰-کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی (الہند)

: 011-23263996, 09350334143

e-mail : razaprintology@gmail.com

BADE SHAHR KA BADA CHAAND

Dr. SHAREEF AHMAD QURAISHI

Ist Edition : 2020 Pages : 144 Price : Rs. 200

: 7078702997, 7906937665

e-mail : drquraishi@rediffmail.com, shareeframpur@gmail.com

مطبوعات ڈاکٹر شریف احمد قریشی
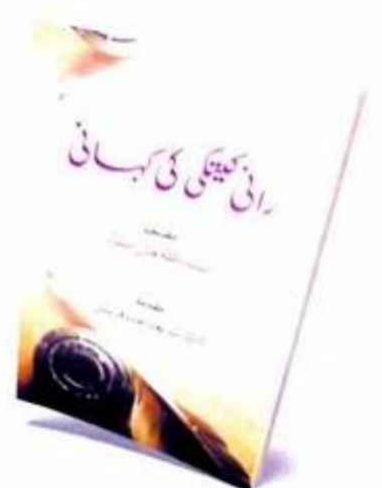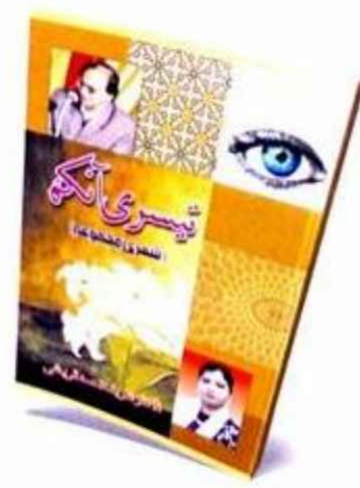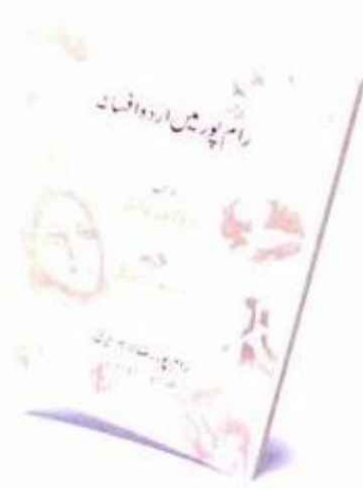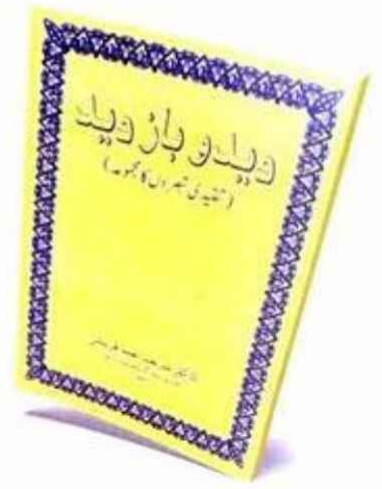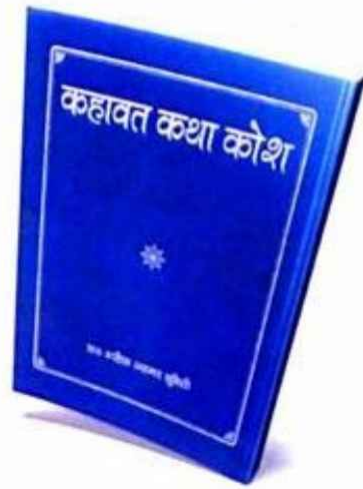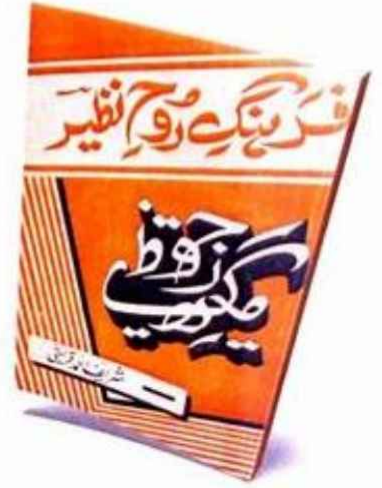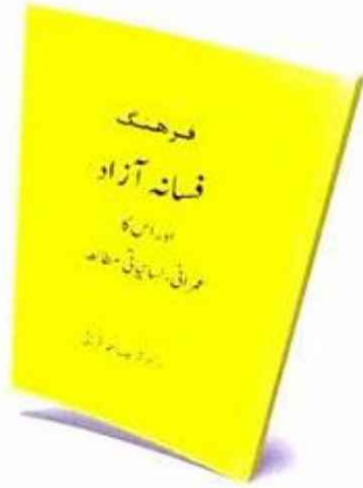
مطبوعات ڈاکٹر شریف احمد قریشی
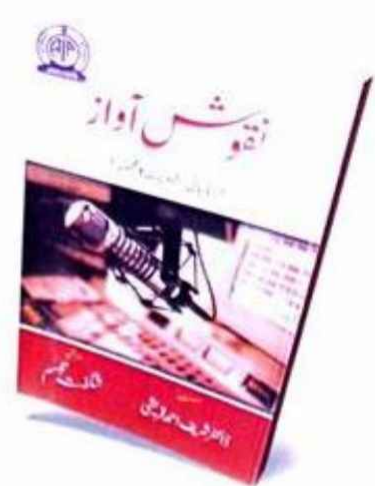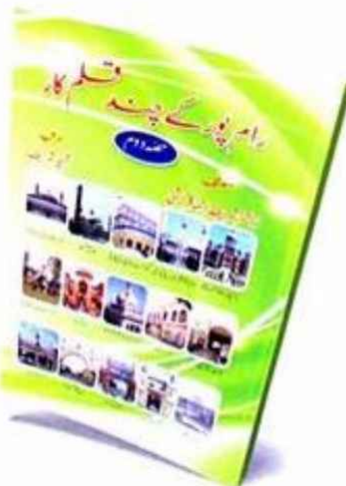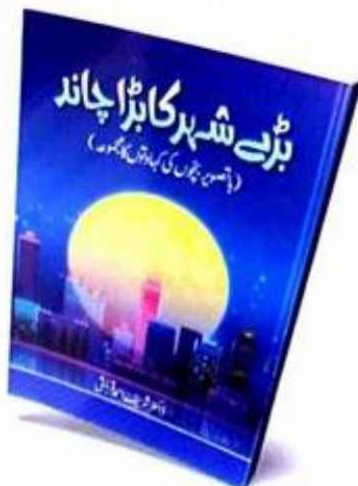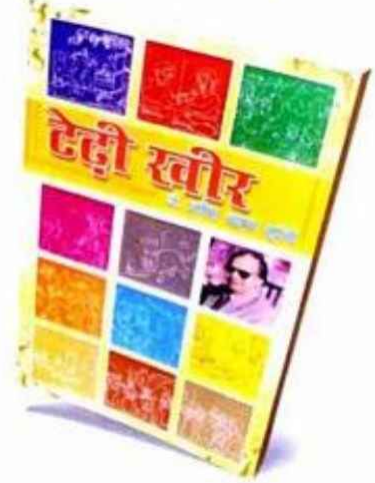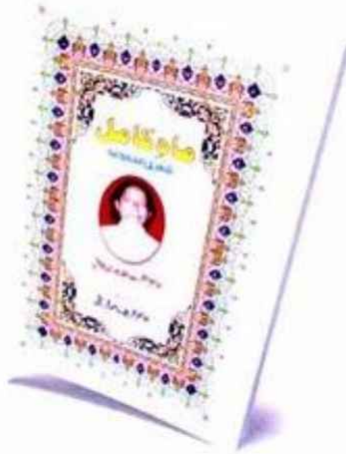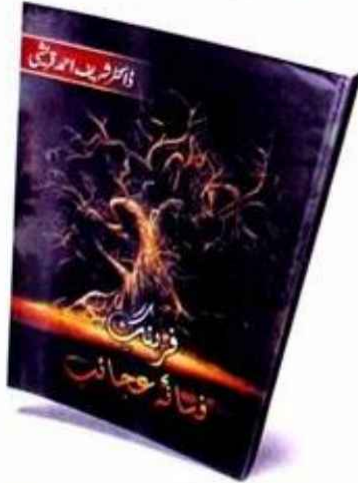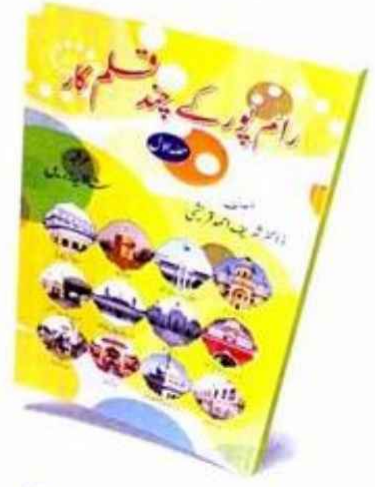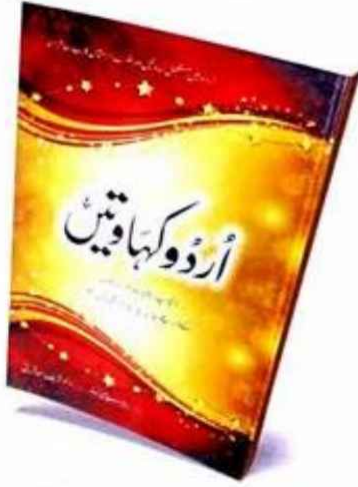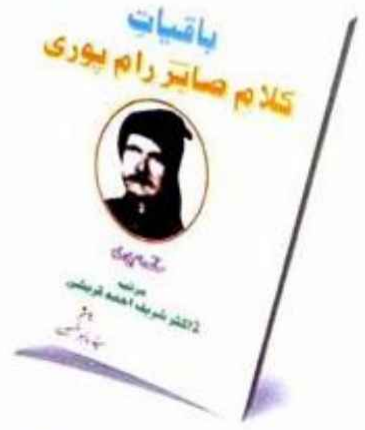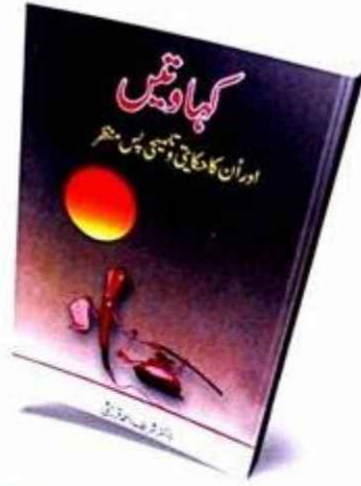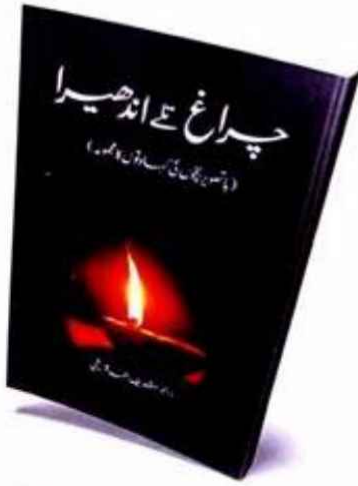
یونین پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین پروفیسر ڈی پی اگروال، ایم جے پی روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی کے وائس چانسلر پروفیسر محمد مزمّل 23/نومبر 2013، کو یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں شہلا نگار کو زولوجی (علم حیوانات) میں یونیورسٹی ٹاپر کی سندِ اعزاز اور گولڈ میڈل سے سرفراز کرتے ہوئے۔

سی ایس جے ایم یونیورسٹی کان پور میں 17/فروری 2019، کو منعقدہ کانفرنس بعنوان National Conference on Frontiers in Environment, Health & Bio-Science میں پروفیسر نیلما گپتا وائس چانسلر کان پور یونیورسٹی، پروفیسر انجلی اگروال جی بی پنت یونیورسٹی پنت نگر شہلا نگار کو ینگ سائنٹسٹ (Young Scientist) کے ایوارڈ سے سرفراز کرتی ہوئیں۔

علم حیوانات (زولوجی) میں ڈپارٹمنٹ آف زولوجی، سائنس فیکلٹی، رضا کالج، یونیورسٹی سے الحاق شدہ تمام کالج اور یونیورسٹی ٹاپرس کی اسناد اعزازات سے شہلا نگار کو 11 ر فروری 2014ء کو سرفراز کرتے ہوئے ڈائریکٹر ہائیر ایجوکیشن اتر پردیش ڈاکٹر جے ڈی مترا، پرنسپل ڈاکٹر پرماتما سنگھ، چیف پراکٹر ڈاکٹر شریف احمد قریشی، صدر شعبۂ علم سیاسیات ڈاکٹر یاسمین صدیقی اور اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو یاشیکا گرلز ڈگری کالج مان پور مرادآباد ساجدہ قریشی۔

سی ایس جے ایم یونیورسٹی کان پور میں 13 ر تا 17 ر نومبر 2018ء کو منعقدہ پنج روزہ ورک شاپ بعنوان National workshop on Advance Molecular Biotechniques کی الوداعی تقریب میں شہلا نگار اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہوئیں۔ ڈائس پر تشریف فرما ہیں پروفیسر نیلما گپتا وائس چانسلر، پروفیسر سندیپ ملہوترا یونیورسٹی آف الہ آباد، ڈاکٹر ورشا گپتا اور ڈاکٹر ساسوت کٹیار سی ایس جے ایم یونیورسٹی کان پور۔

انتساب

پیاری بیٹی

پارۂ جگر

شہلا نگار

کے

نام

— شریف احمد قریشی

بڑے شہر کا بڑا چاند

یہ کتاب

اُتّر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ

کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے

۔ ڈاکٹر شریف احمد قریشی

فہرست

※

پیش گفتار

پیارے بچّو! آپ لوگوں نے کہاوتوں کے بارے میں ضرور پڑھا ہوگا اور آپ کو بہت سی کہاوتیں یاد بھی ہوں گی۔ کیا آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ لوگ اپنی گفتگو، تقریر یا تحریر میں کہاوتوں کا استعمال کیوں کرتے ہیں؟ دراصل بات یہ ہے کہ کہاتوں کے استعمال سے گفتگو، تقریر یا تحریر میں ایسا زور واثر پیدا ہو جاتا ہے جو سُننے یا پڑھنے والوں کو بڑی آسانی سے متاثر کرتا ہے۔

اگر چہ کہاوت کو لوکوکتی (लोकोक्ति) مثل اور ضرب المثل بھی کہا جاتا ہے مگر میرے نزدیک کہاوت اسی کو کہنا چاہئے جس کا تعلّق کسی قصّہ، کہانی، حکایت، تلمیح، کتھا، لوک کتھا اور تاریخی یا سماجی واقعات وغیرہ سے ہو جیسے آب آب کرمر گئے سرہانے دھرا رہا پانی، بندر کا کام بڑھئی گیری نہیں، بھیڑیا بکری لے گیا، کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے وغیرہ۔ لوکوکتی، مثل یا ضرب المثل کا تعلّق کسی قصّہ، کہانی یا واقعات سے نہیں ہوتا جیسے آنکھ کا اندھا نام نین سُکھ، اونٹ کے منہ میں زیرہ، بخی سے سوم بھلا جو تُرت دے جواب، کالے کے آگے چراغ نہیں جلتا وغیرہ۔

کہاوتوں کا وجود کسی شخص، انسان یا ادارہ کے ذریعہ نہیں کیا جاتا اور نہ یہ کسی کارخانہ میں ڈھالی جاتی ہیں بلکہ ان کے بننے، سنورنے، کہاوتوں کا روپ اختیار کرنے، چلن میں آنے یا رائج ہونے اور اُن کے آغاز وارتقاء میں بزرگوں کے اقوال، ملفوظات، دوہوں، مصرعوں اور اشعار کے اہم یا مقبول حصّوں کے علاوہ قصّوں، کہانیوں، حکایتوں،

تلمیحات وغیرہ کے مرکزی خیالات اور کلیدی جملوں کا اہم رول ہوتا ہے جو رفتہ رفتہ مشہور و مقبول ہوتے ہوتے زبان زدِ خاص و عام ہو جاتے ہیں یعنی عوام و خواص کی زبان پر چڑھ جاتے ہیں۔ لوگ اِن ہی جملوں، دوہوں، اشعار، مصرعوں یا اُن کے کسی حصّہ کو کہاوت کی طرح استعمال کرنے لگتے ہیں۔

شروع میں تمام کہاوتیں عام نوعیت کی نہیں ہوتیں بلکہ تحریر و تقریر میں استعمال کرنے کے سبب چلن میں آجاتی ہیں اور پھر کثرتِ استعمال کے سبب انہیں عوامی مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ بعض حکایتی کہاوتوں کے پس منظر سے متعلّق متعدد حکایتیں یا کہانیاں بیان کی جاتی ہیں جن کا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے علاقے، زمان و مکان یا موجودہ حالات کے تحت کہاوتوں کی مناسبت سے قصّوں اور کہانیوں کی تخلیق کر لی ہوگی جیسے نہ نَو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی، لالچ بُری بلا ہے، بھُے کا بھُوت شک کی ڈائن، مار کے آگے بھُوت بھاگے وغیرہ۔ اس کے برعکس متعدد مقبولِ عام قصّوں، کہانیوں، حکایات، تلمیحات، تاریخی یا سماجی واقعات کے اہم کلیدی جملے، فقرے یا مرکزی خیالات رفتہ رفتہ کہاوت کے طور پر استعمال کیے جانے لگے ہوں گے۔ بعض حکایتوں کے کلیدی جملے، فقرے یا مرکزی خیالات کہاوت نہ ہوتے ہوئے بھی رفتہ رفتہ کہاوتوں کی طرح مقبولِ خاص و عام ہو جاتے ہیں اور کہاوتوں ہی کی طرح استعمال کیے جانے لگتے ہیں جیسے گونوجھا کی بلّی، بڑی ٹیڑھی کھیر ہے وغیرہ۔

گردشِ زمانہ یا بعض ناگزیر حالات کے سبب لوگ بیشتر کہاوتوں کے حکایتی پس منظر کو رفتہ رفتہ بھولتے چلے گئے البتہ اُن کہاوتوں سے متعلّق کہانیاں محفوظ رہیں جو نصابی کتب میں شامل تھیں یا جو اپنے پس منظر کے ساتھ مسلسل رائج رہیں جیسے انگور کھٹّے

ہیں، لالچ بُری بلا ہے وغیرہ۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسی متعدد کہاوتیں ہیں جنہیں اکثر و بیشتر استعمال تو کیا جاتا ہے مگر بیشتر حضرات اُن کے حکایتی پس منظر سے ناواقف ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مَیں نے بچّوں سے متعلّق سبق آموز اور معلوماتی کہاوتوں کو آسان زبان میں نہ صرف مرتب ہی کیا ہے بلکہ بچّوں کی نفسیات کے پیشِ نظر تصاویر کے ذریعہ کہاوتوں کے پس منظر اور مرکزی خیالات کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اُمّید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ کہاوتوں کا یہ باتصویر مجموعہ بچّوں کے لیے اہمیت کا حامل ہوگا اور اُن کی معلومات میں اضافہ بھی کرے گا۔

میری بیٹی شہلا نگار نے 2013ء میں ایم.ایس سی.زولوجی (علمِ حیوانات) میں 76 فی صد نمبر حاصل کر کے ایم.جے.پی.روہیل کھنڈ یونی ورسٹی، بریلی میں اوّل مقام حاصل کیا تھا۔ مورخہ 23 نومبر 2013ء کو یونی ورسٹی کے جلسۂ تقسیمِ اسناد میں اُسے میرٹ سرٹی فیکیٹ اور طلائی تمغہ (Gold Medal) سے سرفراز کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شہلا نگار ان دنوں ماہرِ علم حیوانات پروفیسر نیلما گپتا وائس چانسلر سی ایس جے ایم یونیورسٹی کان پور (سابق صدر شعبۂ علم حیوانات، ایم جے پی روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی) سے علم حیوانات (Animal Science) میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے ریسرچ کر رہی ہیں۔ اُن کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی موضوع کا عنوان Toxicological effect of lead and cadmium on the blood parameters of *Channa punctatus* and *Heteropneustes fossilis* and thier role on neo plastic development in fish ہے۔ یونیورسٹی ٹاپر ہونے کے سبب شہلا

نگار کو ڈپارٹمنٹ آف سائنس اینڈ ٹیکنولوجی (DST) نئی دہلی نے دو سال تک جونیر ریسرچ فیلوشپ سے نوازا اور اب اسے اسی ڈپارٹمنٹ سے سینیر ریسرچ فیلوشپ سے سرفراز کیا جا رہا ہے۔

میں بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دُعا ہوں کہ اُسے ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی تفویض ہو جائے اور وہ ہمیشہ شاداں وفرحاں رہے۔ سائنس کی ریسرچ اسکالر ہونے کے باوجود شہلا نگار کو قصّوں اور کہانیوں سے بھی دل چسپی ہے۔ اُس کی محنت، لگن اور ہمّت کو دیکھتے ہوئے اُس کی اور اُن تمام بچّوں اور خاص طور پر بچّیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کاوش کو اپنی بیٹی شہلا نگار کے نام معنون کرتے ہوئے مجھے دلی مسرّت کا احساس ہو رہا ہے۔

مورخہ: 14/جولائی 2019ء

— شریف احمد قریشی

آٹا دال اور اُلّو بھی ہے

اچھائی کے ساتھ بُرائی بھی ہے۔ جب کوئی شخص اپنی بے وقوفی کے فریب میں آجائے اور پھر نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے، تو کہتے ہیں۔اس کہاوت سے متعلق ایک دل چسپ کہانی اس طرح بیان کی جاتی ہے :
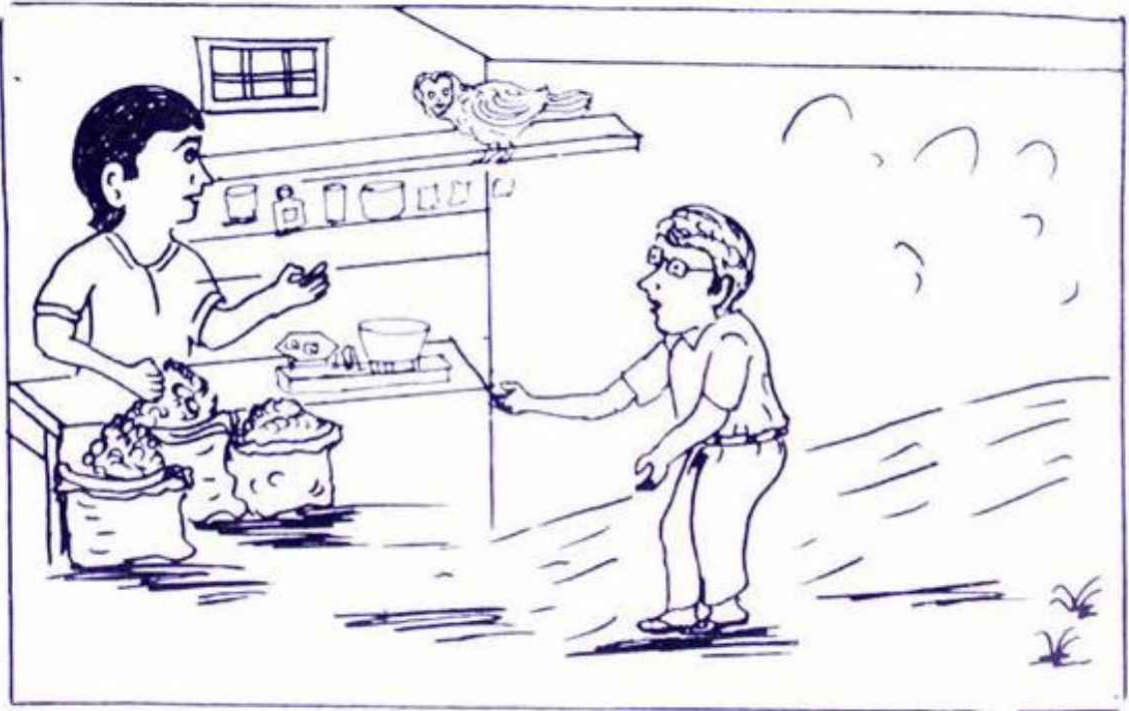
ایک فریبی شکاری کے ہاتھ اُلو لگ گیا۔اس نے اس کو فروخت کرنے کی یہ تدبیر کی کہ ایک بنیے کی دُکان کے سامنے جا کر آواز لگائی کہ اُلو لے لو، اُلو

لے لو۔ آج کل اُلّو کا اکال ہے اور مانگ زیادہ ہے۔ بنیے نے شکاری کو پاس بُلا کر پوچھا کہ اُلّو کس کام آتا ہے اور اس کی مانگ اس وقت کیوں زیادہ ہے؟ شکاری نے جواب دیا کہ سیٹھ جی! آج کل شادی بیاہ کا زمانہ ہے۔ بیاہ کی ایک خاص رسم کے لیے اُلّو کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی لیے اُلّو عنقا ہو گیا ہے۔ ڈھونڈھے سے بھی نہیں مل رہا ہے۔ بڑی مشکل سے یہ ایک اُلّو ہاتھ لگا ہے۔ اگر آپ اسے لینا چاہیں تو ایک ہزار روپے میں خرید لیں گے۔ بنیے نے اسے خرید لیا۔ شکاری روپے لے کر چلتا بنا۔ اس کے بعد اُلّو کو فروخت کرنے کی غرض سے بنیا ہر خریدنے والے سے بار بار کہتا تھا کہ صاحب ہماری دکان میں آٹا دال اور اُلّو بھی ہے۔

آدھی بوڑھی آدھی جوان

جب کوئی شخص ڈھلمُل یقین ہو یا دوطرفہ بات کرے تو کہتے ہیں۔
اِس کہاوت کے پَس منظر میں ایک دِل چسپ کہانی اِس طرح بیان کی جاتی ہے :
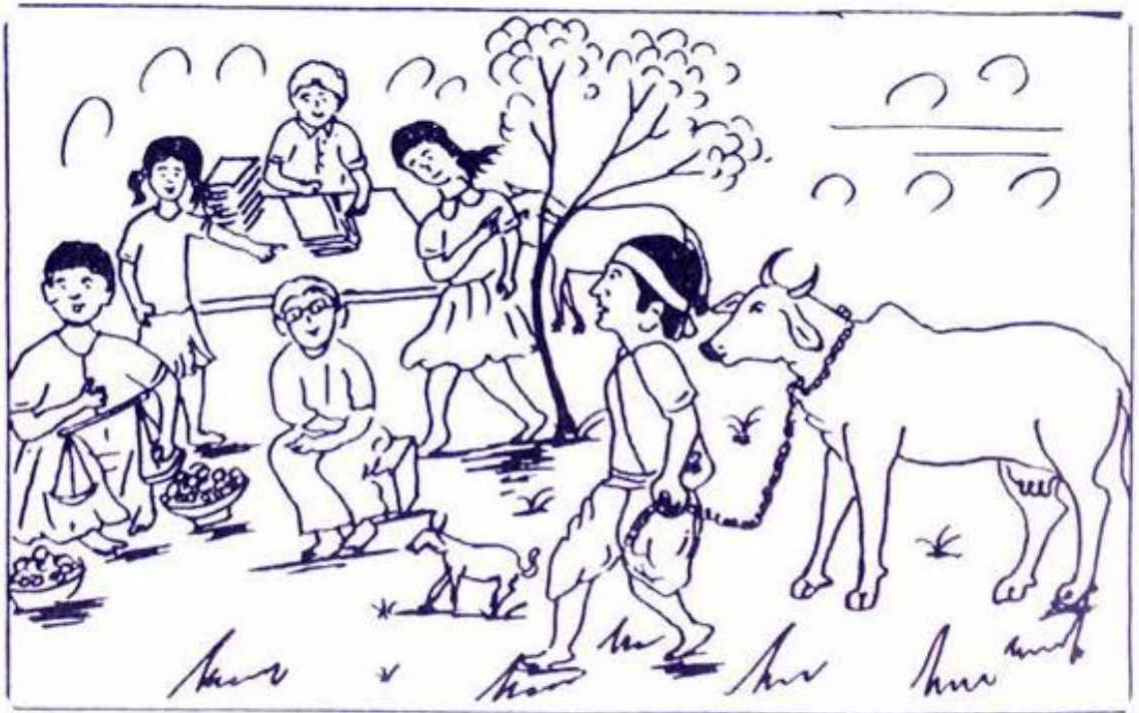
ایک برہمن اپنی گائے کو فروخت کرنے کے لیے بازار لے گیا۔ جب کئی روز تک گائے فروخت نہ ہوسکی تو اُس کے ایک دوست نے پوچھا تو اُس نے

جواب دِیا کہ مَیں گائے کی عُمر اُس کی حقیقی عمر سے اِس لیے زیادہ بتاتا ہوں کہ جِس طرح عمر بڑھنے سے آدمی عقل مند ہو جاتا ہے اسی طرح خریدنے والا گائے کو زیادہ عقل مند سمجھ کر زیادہ پیسے دے گا۔ اُس کے دوست نے اُسے سمجھایا کہ جانور کی عمر بڑھنے سے اُس کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ اِس لیے تم اِس گائے کی عمر کو کم بتا کر فروخت کر آؤ۔ برہمن بازار کی طرف چل پڑا اور راستے بھر سوچتا رہا کہ مَیں کئی بار اِس گائے کی عمر کو زیادہ بتا چُکا ہوں۔ اب اگر کم بتاؤں گا تو لوگ کیا کہیں گے۔ اُس نے سوچا اب مَیں اِس کی عمر کو نہ زیادہ بتاؤں گا نہ کم۔ اگر خریدار اِس کی عمر پوچھے گا تو کہہ دوں گا کہ آدھی بوڑھی ہے آدھی جوان۔

اگاڑی تمہاری، پچھاڑی ہماری

آگے کا حصّہ تمہارا اور پیچھے کا حصّہ ہمارا۔ ایسے مطلبی اور چالاک شخص کے لیے کہتے ہیں جو فائدے کی چیز تو خود لینا چاہے اور بے کار یا خسارے کی چیز دوسرے کو دینا چاہے۔ اِس کہاوت کے پَس منظر میں ایک کہانی اِس طرح بیان کی جاتی ہے:

دو بھائیوں نے شرکت میں ایک بھینس خریدی۔ اُن میں سے ایک

بھائی سیدھا اور سادہ لوح تھا، جب کہ دوسرا بھائی نہایت چالاک اور ہوشیار تھا
۔ہوشیار بھائی نے اپنے سادہ لوح بھائی کو سمجھاتے ہوئے کہا: کیوں نہ ہم
دونوں بھائی اِس بھینس کو آدھا آدھا بانٹ لیں ۔بھینس کا اگلا حصّہ تم لے لو اور
پچھلا حصّہ مجھے دے دو یعنی بھینس کی اگاڑی تمہاری ، پچھاڑی ہماری۔ دوسرا
بھائی جو سیدھا تھا اُس نے اِس تجویز کو منظور کرلیا۔اب روزانہ کا معمول یہ ہو گیا
کہ سیدھا اور سادہ لوح بھائی بھینس کو کھِلاتا پِلاتا اور ہوشیار بھائی بھینس کے
پچھلے حصّے سے دودھ دوہتا اور مزے اُڑاتا۔

اُلٹا چور بیکنٹھ کو جائے

جب کسی مجرم یا قصوروار کی عزّت کی جائے یا اُسے نوزا جائے تو کہتے ہیں۔ اِس کہاوت سے متعلّق ایک حکایت اِس طرح مشہور ہے :
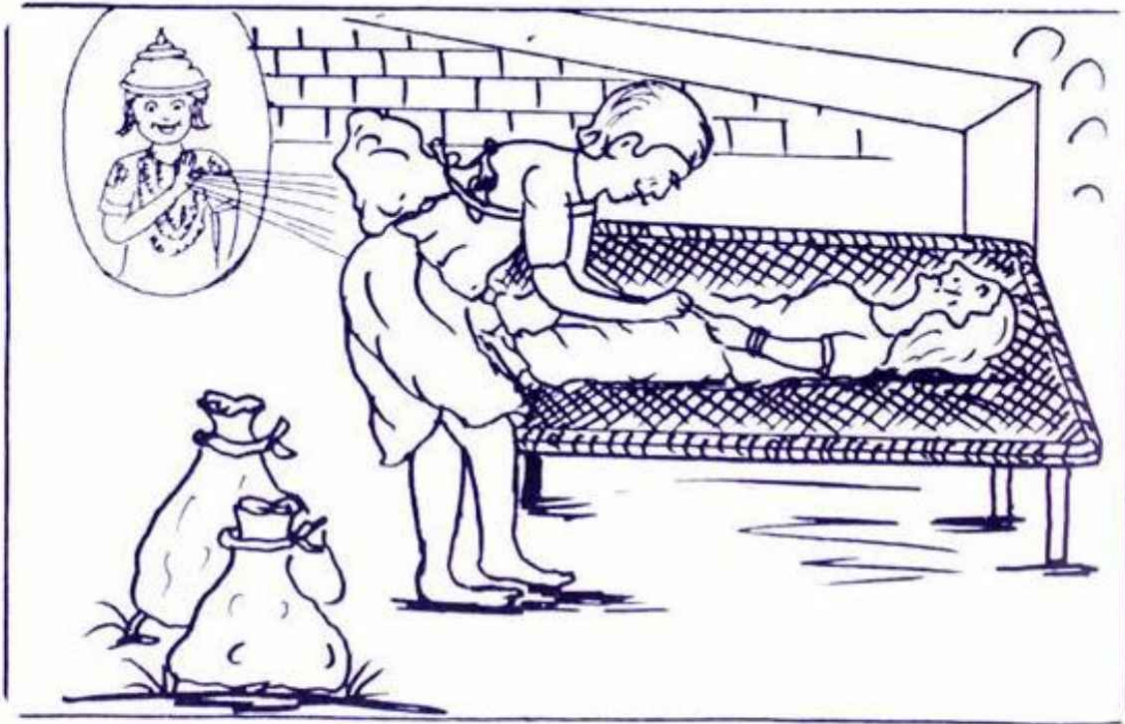
ایک چور چوری کرنے کے ارادے سے ایک مکان میں گُھس گیا۔ وہاں ایک عورت کو تنہا دیکھ کر اُس نے گھر کا تمام سامان اپنے قبضے میں کرلیا، یہاں تک کہ عورت کے تمام زیورات بھی اُتار لیے۔ اب عورت کی اُنگلی میں

صرف ایک چھلاّ ہی رہ گیا تھا۔ چور نے جب اُس چھلے کو بھی اُتارنا چاہا تو اُس عورت نے اُس سے نہایت عاجزی سے کہا: تو نے تو میرے گھر کا تمام مال واسباب اور میرے تمام زیورات لوٗٹ کر اپنے قبضے میں کر لیے ہیں اگر یہ ایک چھلاّ نہ لے گا تو تیرا کیا بگڑ جائے گا؟ چور نے جواب دِیا: مَیں اِس چھلّے کو فروخت کر دوں گا اور اِس کی جو قیمت ملے گی اُس سے سادھوؤں کو بھوجَن کراؤں گا۔ چور کی اِس بات کو سُن کر وِشنو بھگوان نازل ہوئے اور خوش ہو کر اُس چور کو مع جسم بیکُنٹھ یعنی جنّت لے گئے۔ یہ دیکھ کر وہ عورت حیرت میں پڑ گئی اور اُس نے متعجب ہو کر کہا: ''اُلٹا چور بیکُنٹھ کو جائے''۔

اُوپر بَرچھی نیچے کُنواں، تا سے بَنیے کا فارقت ہُوا

مجبور ہو کر کوئی کام کرنا۔ جب کوئی شخص کسی سے زبردستی یا ڈرا دھمکا کر کوئی کام کرائے، تو کہتے ہیں۔ اِس کہاوت کے پَس منظر میں ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :
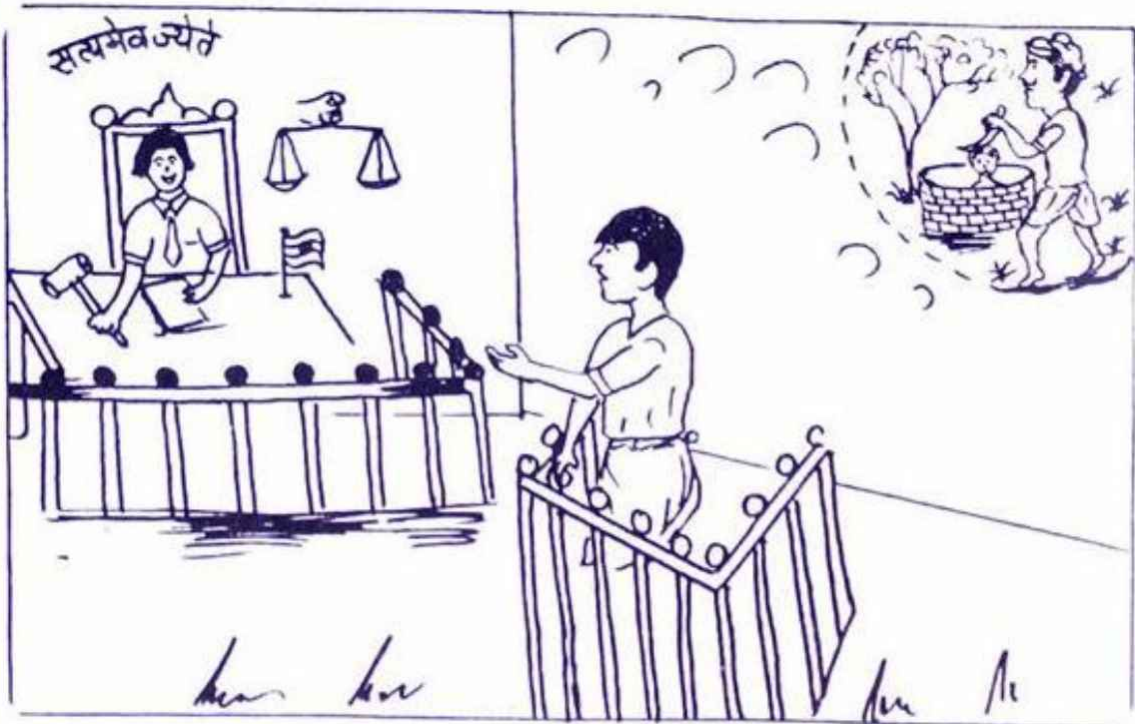
ایک خان صاحب نے کسی بَنیے سے سود پر ایک موٹی رقم اُدھار لی۔ کچھ دِنوں کے بعد اُس نے اُس رقم کو کھا اُڑا کر برابر کر دِیا۔ اَب خان

صاحب کے پاس دینے کے لیے رقم کے نام پر پھوٹی کوڑی بھی نہیں بچی ، اصل رقم کا ذکر کیا؟ خان صاحب نے سود کا بھی ایک پیسہ ادا نہیں کیا۔

بنیے کو روز بروز اپنی رقم کی فکر بڑھنے لگی اور وہ خان صاحب سے تقاضے پر تقاضے کرنے لگا۔ تقاضوں سے پریشان ہو کر روپے دینے کے بہانے خان صاحب نے بنیے کو اپنے گھر بُلایا۔ بنیا رقم ملنے کے لالچ میں خوشی خوشی خان صاحب کے گھر پہنچا۔ خان صاحب کے گھر میں ایک کُنواں تھا۔ اُس نے بنیے کو کنوئیں میں رسّی سے باندھ کر لٹکا دِیا اور برچھی دکھا کر کہنے لگا: کُل روپے کی فارقتی یعنی بے باقی کا رقعہ لکھ دو، ورنہ جان سے ہاتھ دھوؤ گے۔ برچھی سے مار کر اسی کنویں میں ڈال دیے جاؤ گے۔ بنیا تھا بہت ہی چالاک اور ہوشیار۔ اُس نے فوراً بے باقی کی رسید لکھ دی اور اُس رسید کی پُشت پر یہ جملہ بھی لکھ دیا کہ ''اوُپر برچھی نیچے کُنواں، تا سے بنیے کا فارقت ہُوا''۔

کچھ دِنوں کے بعد بنیے نے عدالت میں مقدّمہ دائر کر دیا۔ اُس نے منصف سے کہا: حضور! اس بنیے نے رقم دینے کے بہانے سے مجھے اپنے گھر بُلایا، پھر مجھے کنویں میں ڈال دیا اور پھر برچھی سے مار دینے کی دھمکی دے کر

اپنی رقم کی فارقت کرائی۔ اگر مَیں رقم معاف نہ کرتا تو یہ مجھے مار دیتا، جسے مَیں نے بے باقی کے رقعہ کی پُشت پر تحریر کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ منصف نے اُس تحریر کو پڑھ کر بنیے کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا۔ اس طرح بنیے نے خان صاحب سے اپنی ڈوبی ہوئی کُل رقم وصول کر لی۔

ایسی بات بنائی، بالم کی مونچھ مُنڈائی

اپنی ضد کو پورا کرنے کے لیے اپنا ہی نقصان یا اپنی ہی بے عزّتی کرانے والوں کے لیے کہتے ہیں۔ اِس کہاوت سے متعلق ایک حکایت اِس طرح مشہور ہے :
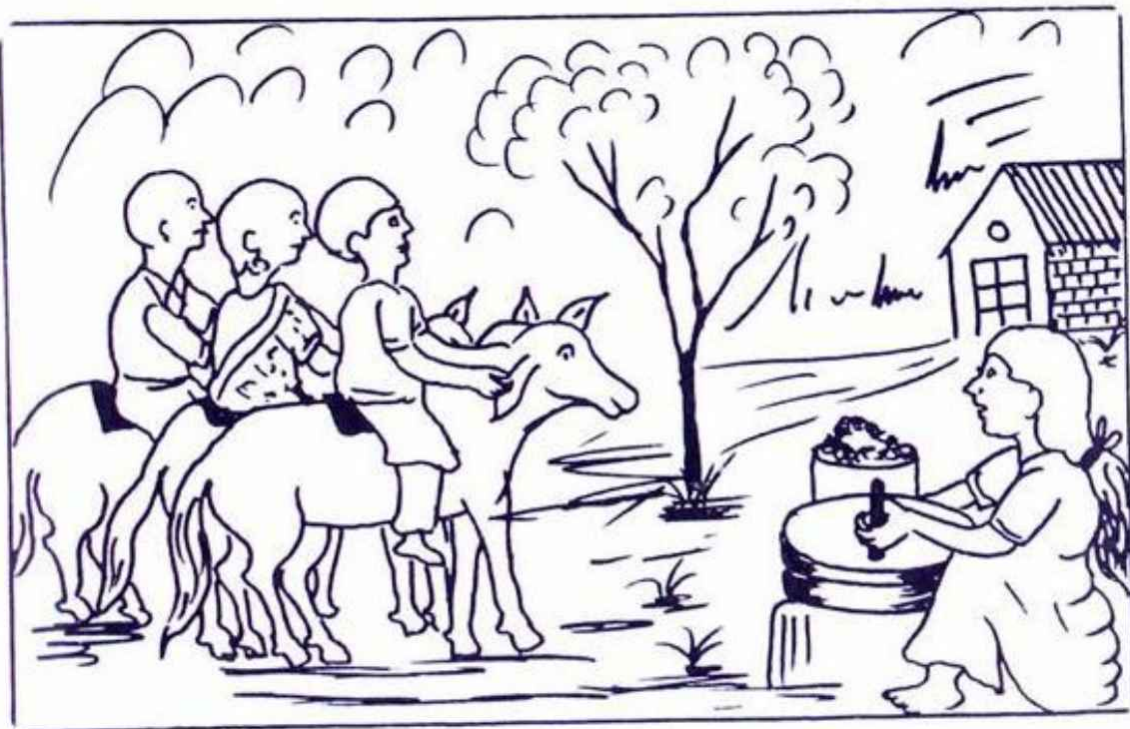
ایک مرتبہ ایک گاؤں میں شوہر اور بیوی کے درمیان بحث ہونے لگی کہ مَرد اور عورت میں زیادہ عقل مند اور چالاک کون ہوتا ہے۔ بیوی عورتوں کو عقل مند کہتی تھی جب کہ شوہر مردوں کی حمایت کر رہا تھا۔ جب بحث کا کوئی حل

نہیں نکلا تو ایک دِن عورت بیماری کا بہانہ بنا کر چارپائی پر لیٹ گئی۔ بہت علاج کرایا گیا مگر سب بے سود۔ کوئی بھی دَوا کارگر نہ ہوئی۔

ایک دن بیوی نے اپنے شوہر سے کہا: مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں: جب تک آپ اپنی مونچھ نہیں کٹوائیں گے، میری بیماری نہیں جائے گی۔ اگر آپ مجھے چاہتے ہیں تو اپنی مونچھ کٹوا دیں۔ لہٰذا ناچار شوہر نے اپنی مونچھ کٹوا دی۔ مونچھ کٹتے ہی عورت اُٹھ کر بیٹھ گئی اور یہ گانا گانے لگی ''اپنی ٹیک بھنجائی، بالم کی مونچھ کٹائی''۔ شوہر سمجھ گیا کہ اُس نے مجھے بے وقوف بنایا ہے۔ عورتوں کو عقل منداور مَردوں کو احمق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنی سسرال پہنچ گیا۔ داماد کو دیکھ کر ساس گھبرا گئی۔ اُس نے داماد سے خیریت پوچھی تو اُس نے کہا: آپ کی بیٹی قریب مرگ ہے۔ مجھے ایک ہوشیار نے بتایا ہے کہ اگر گھر کے تمام افراد اپنے اپنے سَر منڈا کر گدھے پر سوار ہو کر میرے ساتھ چلیں تو وہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔ سب نے ایسا ہی کیا۔ جس وقت اُس کی سسرال کے سب لوگ سر منڈائے گدھے پر سوار اُس کے ساتھ گھر پہنچے تو اُس وقت اُس کی بیوی چکّی پیستی ہوئی بڑی دھُن میں گا رہی

تھی ''اپنی ٹیک بھنجائی، بالم کی مونچھ کٹائی''۔ تبھی شوہر نے اُس میں یہ ٹکڑا جوڑا ''دیکھ ری لُگائی، جامُنڈی پلٹن آئی''۔ بیوی نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو نہایت نادم اور شرمندہ ہوئی۔

اس کہاوت کا کلیدی جملہ اس طرح بھی مشہور ہے۔ ''دیکھ تِریا کے چالے، سِر مُنڈا مُنہ کالے، دیکھ مَردوں کی پھیری، ماں تیری کہ میری۔''

ایسی میخ ماری کہ پار اُتر گئی

خوب زَک پہنچائی۔ مطلب برآری یا کسی کام میں رخنہ اندازی کے موقع پر بھی بولتے ہیں۔ اس کہاوت کے پَس منظر میں ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے :

نوّاب آصف الدولہ شاہِ اَودھ نے زمین میں ایک میخ گڑوا کر حکم دیا کہ جو اس میخ پر تیر لگائے گا، وہ ایک ہزار روپے انعام پائے گا۔ بہت سے تیر اندازوں نے قسمت آزمائی مگر وہ ناکام رہے۔ ناگاہ ایک فقیر وہاں آپہنچا اور

اُس نے نوّاب سے کہا: مجھے بھی کچھ راہِ مولا میں دے دو۔ نوّاب نے فقیر کو جواب دیا: اس وقت تیر اندازی کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ اگر تم چاہو تو اپنی قسمت آزما سکتے ہو۔ اگر تمہارا تیر میخ پر لگ جائے گا تو تمہیں ایک ہزار روپے بطورِ انعام دیے جائیں گے۔ فقیر نے کہا: اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو ایسا ہی سہی۔ ہم کو بھی ایک تیر کمان دلا دیجیے تو ہم اپنا کرشمہ کر دکھائیں۔ فقیر کو تیر اور کمان دیا گیا۔ فقیر نے نشانہ لگا کر ایسا تیر مارا کہ میخ اُکھڑ کر دور جا گری۔ نوّاب نے حسبِ وعدہ ایک ہزار روپے کی تھیلی اُس کے حوالے کر دی۔ فقیر نے تھیلی لے کر پھر نوّاب سے کہا: بابا کچھ راہِ مولا میں بھی دے دیجیے۔ اس پر نوّاب نے کہا: تم کتنے حریص ہو کہ ایک ہزار کی رقم حاصل کر کے بھی سوال کر رہے ہو۔ فقیر نے جواب دیا: یہ تو میرا ہُنر تھا، اس میں آپ کا کیا اجارہ ہے؟ کچھ راہِ مولا میں بھی دے دیجیے کہ آخرت میں آپ کے کام آئے۔ آصف الدولہ نے مسکراتے ہوئے مزید ایک ہزار روپے اُس فقیر کو عنایت کیے۔

☼

ایسے جنگل میں چاول

خلافِ امکان واقعہ پیش آنے اور خلافِ توقّع بات پر جلدی یقین کر لینے یا اپنی عقل سے کام نہ لینے کے محل پر کہتے ہیں۔ اس کہاوت سے متعلّق ہتوپدیش (हितोपदेश) کی ایک سبق آموز کہانی اس طرح بیان کی جاتی ہے :
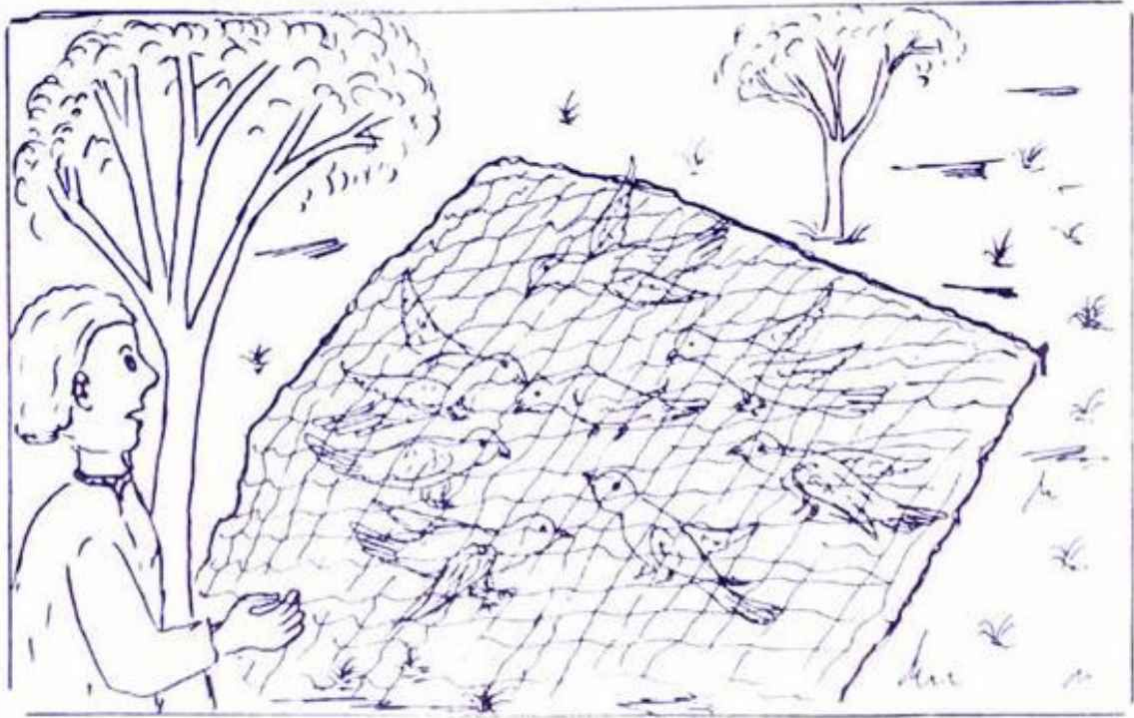
کسی جنگل میں کبوتروں کا ایک جھنڈ اُڑ رہا تھا۔ اُن میں سے ایک کبوتر نے دیکھا کہ جنگل میں بہت سے چاول بکھرے پڑے ہیں۔ اُس نے خوش ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہا: دیکھو! زمین پر کتنے چاول بکھرے پڑے ہیں۔ ہم

لوگ بے وجہ ایک ایک دانے کی تلاش میں دور دراز اُڑتے پھر رہے ہیں۔ آؤ ہم سب نیچے اُتریں اور چاول چُگ کر اپنی اپنی بھوک مٹائیں۔ ایک بوڑھے اور تجربہ کار کبوتر نے اُن کو سمجھایا کہ اس میں ضرور کوئی چال ہے۔ ایسے جنگل میں چاول کہاں؟ ہم لوگوں کو پکڑنے کے لیے کہیں کسی شکاری نے چاول پھیلا رکھے ہوں اور خود وہ کسی آڑ میں چھپ کر نہ بیٹھا ہو، مگر لالچ کی وجہ سے اُنہوں نے اُس بوڑھے کبوتر کی بات نہ مانی اور چاول کی لالچ میں زمین پر اُتر گئے۔ اُنہوں نے جیوں ہی چاولوں کو چُگنے کے لیے اپنی چونچیں کھولیں شکاری نے اُنہیں اپنے جال میں پھانس لیا۔ جال میں پھنسے ایک کبوتر نے کہا: لالچ کے سبب پہلے یہ بات ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی کہ ''ایسے جنگل میں چاول''۔

ایک آپ، دوسرا بغل چاپ

جب کوئی شخص بغیر بُلائے کسی کے یہاں جائے اور اپنے ساتھ ایسے شخص کو بھی لے جائے جس کی خاطر و مدارات میزبان کو کرنا پڑے تو کہتے ہیں۔اس کہاوت کے پَس منظر میں ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

ایک شخص نے اپنے بیٹے کی بارات میں لے جانے کے لیے کچھ لوگوں کو مدعو کیا: بارات کے ہمراہ دیگر لوگوں کے علاوہ حجام، درزی اور دھوبی وغیرہ بھی تھے۔لڑکی والے اپنے یہاں کے دستور کے مطابق ہر مہمان کا حصہ پوچھ

پوُچھ کر دے رہے تھے۔ جب حجّام کا نمبر آیا تو اُس نے کئی حصّے لینے کی غرض سے حصّہ باٹنے والے سے کہا: اُستاد، حجّام، نائی، ایک مَیں، ایک میرا بھائی یعنی مجھے پانچ حصّے ملنا چاہئے۔ (جب کہ وہ شخص ایک ہی تھا) اس کے بعد جب درزی کا نمبر آیا تو اُس نے بھی حجّام کی طرح کئی حصّے دار بتائے۔ آخر میں جب حصّہ لینے کے لیے دھوبی کی باری آئی تو اُس نے بھی حجّام اور درزی کی طرح کئی حصّہ دار گنا دیے۔ اس پر حصّہ باٹنے والے نے کہا: ''ایک آپ، دوسرا بغل چاپ''۔

اس کہاوت کا کلیدی جملہ اس طرح بھی مشہور ہے۔ ''استاد، حجّام، نائی، ایک مَیں ایک میرا بھائی۔''

ایک گال میں آگ، ایک گال میں پانی

ذرا میں طیش ذرا میں نرمی۔ جب کوئی شخص ذرا دیر میں ناراض ہو جائے اور ذرا ہی دیر میں نرمی برتے تو کہتے ہیں۔ ایسے دغا باز اور فریبی کے لیے بھی کہتے ہیں جو ایک شخص کی بُرائی دوسرے شخص سے کرتا ہو۔ اس کہاوت کے تعلّق سے ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

ایک آدمی اور ایک بندر میں بہت دوستی تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ اُس آدمی کو سردی بہت معلوم ہو رہی تھی۔ ٹھنڈ کے مارے وہ سکڑا جا رہا تھا۔ بدن

میں کچھ حرارت پہنچانے کے لیے اُس نے اپنی بند مُٹّھی کو مُنہ کے پاس لا کر پھونکنا شروع کیا۔ بندر نے اُس آدمی سے بند مُٹّھی میں پھونک مارنے کی وجہ دریافت کی تو اُس نے جواب دیا: سردی کی وجہ سے ہاتھ ٹھِٹھر رہے جارہے ہیں۔ اس لیے انہیں گرمی پہنچانے کے لیے مُنہ سے پھونک رہا ہوں۔

دوسرے دن جب اُس آدمی نے کھانا کھانے کے لیے رکابی میں سالن نکالا تو وہ بہت گرم تھا۔ اُس نے گرم گرم شوربے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے مُنہ سے اُس پر پھونکیں مارنا شروع کردیں۔ بندر نے اس کی بھی وجہ معلوم کی تو اُس آدمی نے کہا: چوں کہ شوربا بہت گرم ہے اور اتنا گرم شوربا کسی طرح نہیں کھایا جا سکتا، اس لیے ٹھنڈا کرنے کے لیے مَیں اسے پھونک رہا ہوں۔ بندر نے بیزار ہو کر کہا: تم ایک ہی مُنہ سے گرم اور سرد دونوں چیزوں کو پھونکتے ہو۔ تمہارے ایک گال میں آگ ہے اور ایک گال میں پانی۔ یقیناً تم بڑے دغاباز اور فریبی ہو۔ لہٰذا آج سے ہماری اور تمہاری دوستی ختم۔

☼

بڑے شہر کا بڑا چاند

بڑے شہروں اور بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ اس کہاوت کے پس منظر میں ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے :
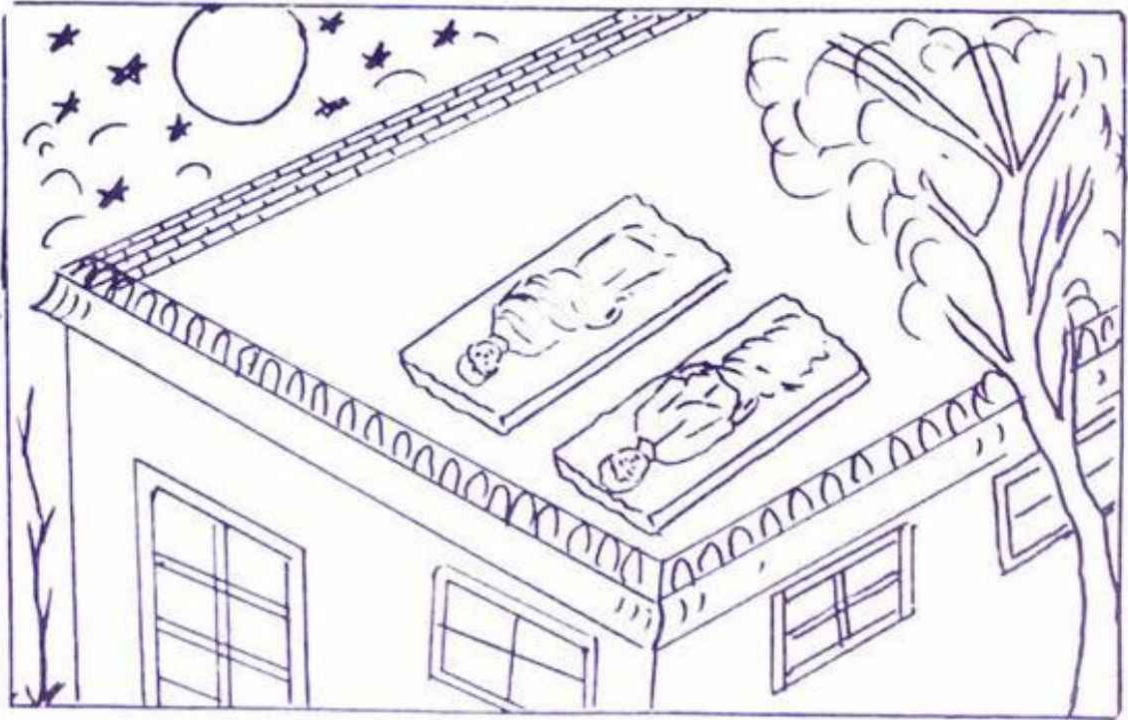
ایک مرتبہ ایک شہری آدمی سرِ شام کسی گاؤں میں پہنچا۔ نیا چاند یعنی ہلال اُسی شام کو دکھائی دیا تھا۔ وہ شہری آدمی اُس چاند کو دیکھ کر اپنے دیہاتی دوست سے کہنے لگا: بھئی! تمہارے گاؤں کا چاند تو بہت ہی چھوٹا ہے۔ دیہاتی دوست نے جواب دیا: نہیں جی! چاند تو ہر جگہ برابر ہی ہوتا ہے، چاہے شہر ہو یا

دیہات۔ شہری آدمی نے کہا: اگر تم کبھی ہمارے شہر میں آؤ گے تو ہم تمہیں اپنے شہر کا بہت بڑا چاند دکھائیں گے۔ اتفاق سے چند روز کے بعد وہ دیہاتی اُسی شہر میں اپنے شہری دوست سے ملنے گیا۔ شہری دوست نے اُس کی خوب خاطر ومدارات کی۔ اتّفاق سے اُس دن قمری مہینے کی چودہ تاریخ تھی۔ جیسے ہی چودھویں کا چاند نکلا تو شہری دوست نے اپنے دیہاتی دوست سے کہا: باہر آؤ تمہیں اپنے شہر کا چاند دکھائیں۔ باہر نکل کر چاند کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے شہری دوست نے کہا: دیکھو ہمارے شہر کا چاند کتنا بڑا ہے۔ دیہاتی نے مرعوب اور حیرت زدہ ہو کر نہایت دھیمے لہجے میں کہا: جی! ''بڑے شہر کا بڑا چاند''۔

معمولی تبدیلی کے ساتھ یہ حکایت اس طرح بھی بیان کی جاتی ہے کہ چاند نکلنے سے قبل شہری دوست اپنے دیہاتی دوست کو اپنے مکان کی چھت پر لے گیا اور اُسے اپنے قریب لِٹایا۔ جب چودھویں رات کا چاند نکلا تو اس نے اپنے دوست سے کہا: دیکھو ہمارے شہر کا چاند کتنا بڑا ہے۔ دیہاتی دوست نے مرعوب ہو کر نہایت دھیمے لہجے میں کہا: جی! ''بڑے شہر کا بڑا چاند''۔

❋

بُڑھاپے میں کوئی ساتھ نہیں دیتا

ضعیف العمری میں اپنے بھی بے گانے ہو جاتے ہیں۔ ضعیف العمر کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔ اس کہاوت کے تعلّق سے ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کسی شہر میں ایک شکاری رہتا تھا۔ جس نے جانوروں کا شکار کرنے کے لیے ایک شکاری کُتّے کو پال رکھا تھا۔ شکاری کُتّا اپنے مالک کا ساتھ دیتا۔ وہ شکار کو پکڑنے میں اُس کی مدد کرتا اور کبھی کبھی خود کسی جانور کا شکار کر کے شکار کو

مُنہ میں ٹانگ کر اپنے مالک کے پاس لاتا جسے دیکھ کر مالک بہت خوش ہوتا۔ اس کی اسی خوبی اور بہادری کے سبب مالک اپنے شکاری کُتّے کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ وہ اُس کے کھانے پینے کا بہت خیال رکھتا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ وہ شکاری کُتّا ضعیف ہونے لگا۔ ایک وقت وہ بھی آ گیا جب بُڑھاپے اور ناتوانی کے سبب وہ شکار کرنے کے قابل بھی نہ رہا۔ مالک نے اب اُس کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں۔ اُس نے اس کے کھانے میں کمی کر دی۔ پھر ایک روز اُس نے اُس کو اپنے گھر سے بھی نکال دیا۔ کُتّے نے اپنی درد بھری آواز اور اپنی آنکھوں کی زبان سے اپنے مالک سے بہت منّت سماجت کی مگر مالک کو اُس پر ترس نہ آیا۔ جب کُتّا مجبور ہو کر وہاں سے جانے لگا تو اُس نے مالک سے رو رو کر کہا: جب تک مَیں جوان تھا اور آپ کے لیے شکار لایا کرتا تھا اُس وقت تک آپ نے مجھے عزیز رکھا۔ اب مَیں بوڑھا ہو گیا ہوں اور شکار کرنے کے قابل نہیں رہا تو آپ مجھے اپنے گھر سے نکال رہے ہیں۔ سچ ہے ''بُڑھاپے میں کوئی ساتھ نہیں دیتا''۔ کُتّے کی یہ بات سُن کر مالک خاموش ہو کر رہ گیا۔

بَن کے گئے فقیر پوری مِلی نہ کھیر

جب کوئی شخص کسی جگہ بڑی اُمّیدوں کے ساتھ جائے اور اُس کے برعکس وہاں اُس کی اُمّیدوں پر پانی پھیر دیا جائے یا اُس کی بے عزتی کی جائے تو اِس کہاوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اِس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے :

ایک زمانہ تھا جب لوگ فقیروں اور درویشوں کی بہت عزّت کرتے تھے۔ اُنھیں عزّت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اُن کی تعظیم و توقیر اور

خاطر و مدارات کو لوگ اپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔ اِنہیں باتوں کو ذہن میں رکھ کر ایک شخص فقیر بَن کر کسی کے یہاں دعوت میں جا پہنچا۔ اُس کا خیال تھا کہ لوگ فقیر سمجھ کر اُس کی خاطر و مدارات کریں گے اور پُرلُطف کھانے کھلائیں گے مگر ایسا نہیں ہُوا۔ لوگ تو دعوت میں عمدہ اور لذیذ کھانے کھا رہے تھے۔ اُسے کسی نے پوُچھا تک نہیں بلکہ ڈانٹ ڈپَٹ کر وہاں سے بھگا بھی دیا۔ گھر کی طرف بھوکا لَوٹتے ہُوئے وہ اپنے آپ سے گویا ہُوا ''بَن کے گئے فقیر پوری مِلی نہ کھیر''۔

٭

بنیے کا بہکایا اور جوگی کا پھٹکارا

بَنیوں کے بہکاوے اور درویشوں کی بَد دعا سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔
بَنیا کس طرح بہکاتا ہے اس سے متعلّق ایک حکایت اس طرح مشہور ہے :
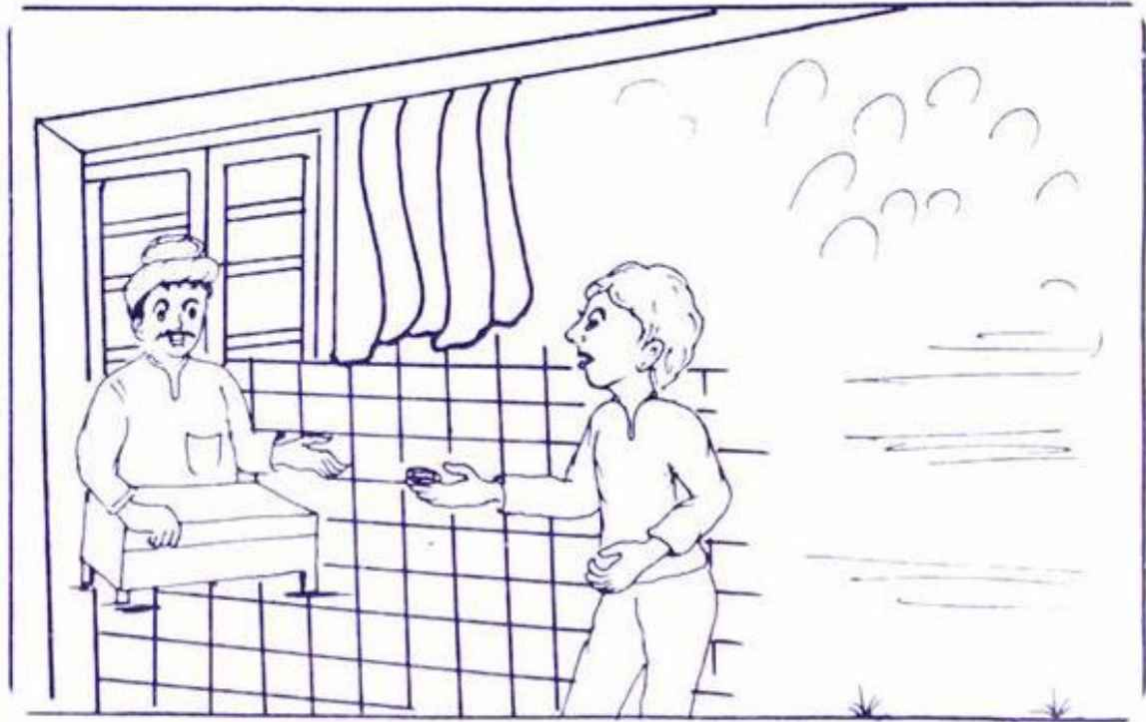
ایک شخص کو کہیں سے ایک اشرفی مِل گئی۔ وہ اُسے فروخت کرنا چاہتا تھا۔ خریدار کی تلاش میں وہ ایک بَنیے کے پاس گیا اور اشرفی دکھا کر بیچنے کی خواہش ظاہر کی۔ بَنیا اُسے سستے دام میں خریدنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اُس نے اشرفی کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور اُس کی قیمت پانچ روپے لگائی۔ جب وہ شخص اتنی کم

قیمت پر اشرفی فروخت کرنے کے لیے راضی نہ ہُوا تب بَنیے نے چھ روپے دام لگائے اور جب اس پر بھی وہ راضی نہ ہُوا تو اُس نے بڑھاتے بڑھاتے اُس کے دام چودہ روپے تک لگا دیے۔ اَب اُس شخص نے سوچا: اشرفی کی قیمت زیادہ ہوگی، اِسی لیے بَنیے نے چودہ روپے تک لگا دیے ہیں۔ اُس نے بَنیے سے کہا: مَیں صرّاف کو دکھائے بغیر فروخت نہیں کروں گا۔ بَنیے نے اُس کا یہ رُخ دیکھ کر ہمدردی ظاہر کرتے ہُوئے کہا: ویسے تو یہ تیس روپے کا مال ہے، اِس سے کم قیمت میں کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرنا۔ اَب اُس شخص کے دماغ میں اشرفی کی قیمت تیس روپے بیٹھ چُکی تھی۔ وہ سارا دِن پورے بازار میں اشرفی کو بیچنے کے لیے گھومتا پھرا مگر اُس اشرفی کو تیس روپے تو کیا، دَس روپے میں بھی خریدنے کے لیے کوئی تیّار نہیں ہُوا۔ آخر مایوس ہوکر وہ پھر اُسی بَنیے کے پاس گیا اور چودہ روپے ہی میں اُس کے ہاتھ فروخت کر دی۔ جب کسی شخص کو اس واقعہ کا عِلم ہوا تو اُس نے کہا: ''بَنیے کا بہکایا اور جوگی کا پھٹکارا''۔

☼

بُوڑھا کُتّا بانچے سَون، لگی ہے تو مارے گا کون؟

بوڑھا کُتا شگُن دیکھ کر کہتا ہے کہ گھر کے دروازے بند ہو گئے ہیں لیکن سانکل یا زنجیر نہیں چڑھائی گئی ہے۔ نہایت کاہل اور سُست لوگوں کے لیے اس کہاوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بد سلیقہ افراد بڑی بے احتیاطی سے کام کرتے ہیں اور برابر نقصان اُٹھاتے رہتے ہیں۔ اس کہاوت سے متعلق ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کاہلوں کے گھر میں محلّہ کے کُتّے گھُس کر کھانے پینے کی چیزوں کو نہ

صرف کھا پی جاتے تھے بلکہ برباد بھی کر دیتے تھے۔ کُتّوں کی اس حرکت سے تنگ آ کر گھر کے مالک نے پھاٹک لگوا دیا۔ پھاٹک لگا دیکھ کر کُتّوں کو فکر ہُوئی اور اُنھوں نے اپنی برادری کے پنچوں کو جمع کیا۔ پنچایت میں اس مسئلے پر غور کیا جانے لگا کہ گھر کے مالک نے اپنے گھر میں پھاٹک لگوا دیا ہے جس کے سبب اَب ہم لوگ وہاں داخل نہ ہو سکیں گے اور نہ وہاں سے کچھ حاصل کر سکیں گے۔ اَب ہم لوگوں کا پیٹ کیسے بھرے گا؟ کئی کُتّوں نے اپنی اپنی عقل کے موافق تجاویز رکھیں۔ ایک تجربہ کار اور بوڑھا کُتّا کھڑا ہو کر کہنے لگا: آپ لوگ فکر بالکل نہ کریں۔ مَیں شگُن سے بتاتا ہوں کہ پھاٹک تو بند کر دیا گیا ہے مگر ابھی سانکل یعنی زنجیر نہیں چڑھائی گئی ہے کیوں کہ اس گھر کا ہر فرد کاہلی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے ہم لوگ پہلے ہی کی طرح بے فکر ہو کر گھر کا سامان کھا پی سکتے ہیں۔ اُس کی یہ بات سُن کر سبھی کُتّے یہ کہہ کہہ کر کہ ''بوڑھا کُتّا باتیے سَون، لگی ہے تو مارے گا کون؟'' خوشی کے مارے ناچنے اور جھومنے لگے۔

٭

بے سمجھے بوجھے کرے جو کاج، اُس کا ہووے ستیا ناس

سوچ سمجھ کر کام نہ کرنے والا شخص مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس کہاوت کے تعلّق سے ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :
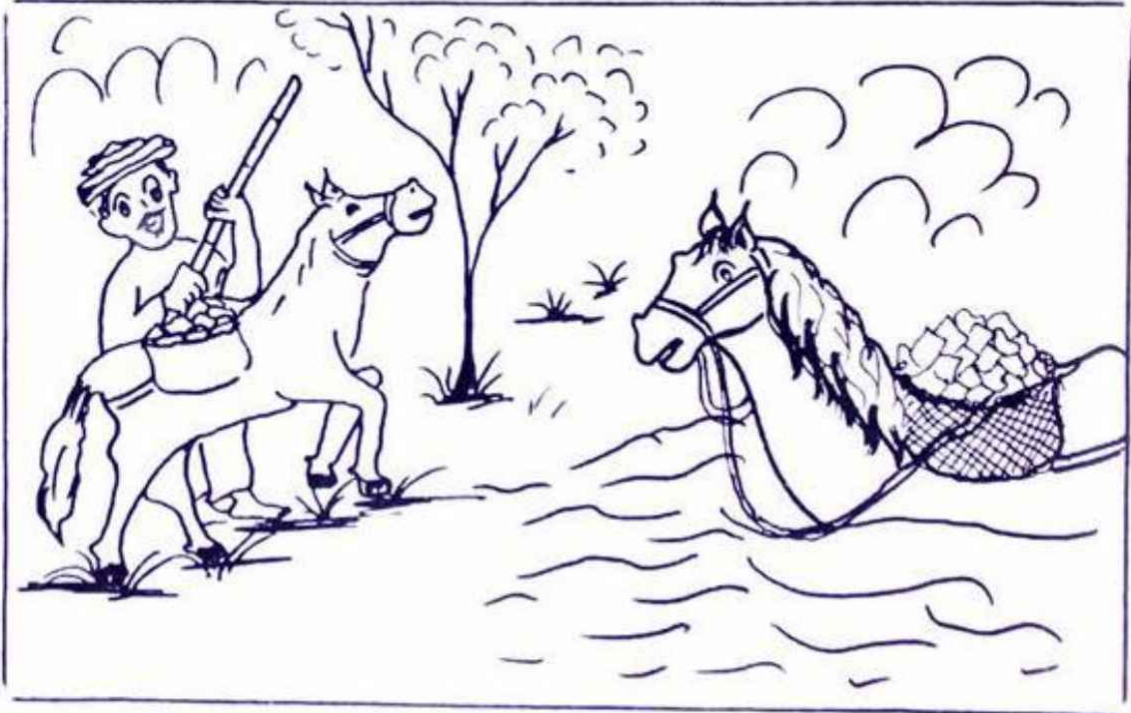
کسی شخص کے پاس ایک گدھا اور ایک گھوڑا تھا۔ ایک روز وہ شخص گھوڑے کی پیٹھ پر نمک اور گدھے کی پیٹھ پر روئی لاد کر بازار میں فروخت کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ راستے میں ایک دریا پڑتا تھا۔ وہ جب اُس دریا کے قریب پہنچے تو گھوڑا جان بوجھ کر اُس دریا میں گر گیا۔ دریا کے پانی میں نمک

گھُل گیا اور گھوڑے پر لدا وزن کم ہو گیا۔ مالک نے معمولی ڈانٹ لگا کر گھوڑے کی خطا درگزر کر دی۔

گدھے نے سوچا گھوڑے نے بڑی ہوشیاری سے اپنے اوپر لدے ہوئے وزن کو کم کر لیا ہے۔ لہٰذا گھوڑے کی پیروی کرتے ہوئے وہ بھی پانی میں کود گیا۔ مالک نے دیکھا کہ تمام روئی خراب ہو گئی ہے۔ اُس نے طیش میں آکر گدھے کو خوب پیٹا۔ ادھر روئی بھی بھیگ کر اس قدر بھاری ہو گئی کہ اَب گدھے کو ایک ایک قدم اُٹھانا دشوار ہو رہا تھا۔ گھوڑے نے طنزیہ لہجے میں گدھے سے کہا: ''بے سمجھے بوجھے کرے جو کاج، اُس کا ہووے سَتیا ناس''۔

بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی

جاتی ہوئی چیز کا جو بھی حصّہ مل جائے اُسے غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اس کہاوت کے پَس منظر میں ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے :

ایک چور کسی مکان میں چوری کرنے کی غرض سے داخل ہُوا۔ اُس نے چوری کر کے بہت سا سامان ایک گٹھری میں باندھ لیا اور پھر گٹھری کو لے کر گھر سے باہر نکل آیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اُسے خیال آیا کہ کچھ ضروری سامان گٹھری میں باندھنے سے رہ گیا ہے، جسے وہ جلدی میں مکان کے اندر ہی چھوڑ

آیا ہے۔ اُس نے گٹھری کو ایک جگہ چھپا کر رکھ دی۔ چھوٹے ہُوئے سامان کو چوری کرنے کے غرض سے وہ پھر اُسی مکان میں داخل ہُوا۔ اتّفاق سے اُس وقت تک مکان کے مالک کی آنکھ کھُل گئی تھی۔ چور نے مالک کو جاگتے ہُوئے دیکھا تو اُلٹے پَیر واپس بھاگنے لگا۔ مالک نے آہٹ پاتے ہی چور کا پیچھا کیا اور اُسے پکڑنے کی کوشش میں اُس کی لنگوٹی ہاتھ آ گئی۔ چور تو فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا مگر اُس کی لنگوٹی مکان مالک کے ہاتھ ہی میں رہ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد محلّے والے اور دیگر افراد وہاں جمع ہو گئے۔ انہیں لوگوں میں سے کسی نے مکان کے مالک سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہُوئے پوچھا: گھر میں کچھ باقی بھی رہا یا سارا سامان چور لے گیا۔ مالک نے لوگوں کو چور کی وہ لنگوٹی دکھاتے ہُوئے کہا: کچھ سامان بچ گیا ہے اور چور کی یہ لنگوٹی میرے ہاتھ لگ گئی ہے۔ لنگوٹی دیکھ کر ایک شخص نے مسکرا کر کہا: ''بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی''۔

*

بھیڑیا بکری لے گیا

بے وقوف بنانا اور دھوکا دینا۔ فریبی اور عیّار شخص کو ایک نہ ایک دن پچھتانا پڑتا ہے اور اپنے کیے کی سزا بھی بھگتنا پڑتی ہے۔ اس کہاوت کے پَس منظر میں ایک لوک کہانی اس طرح مشہور ہے :
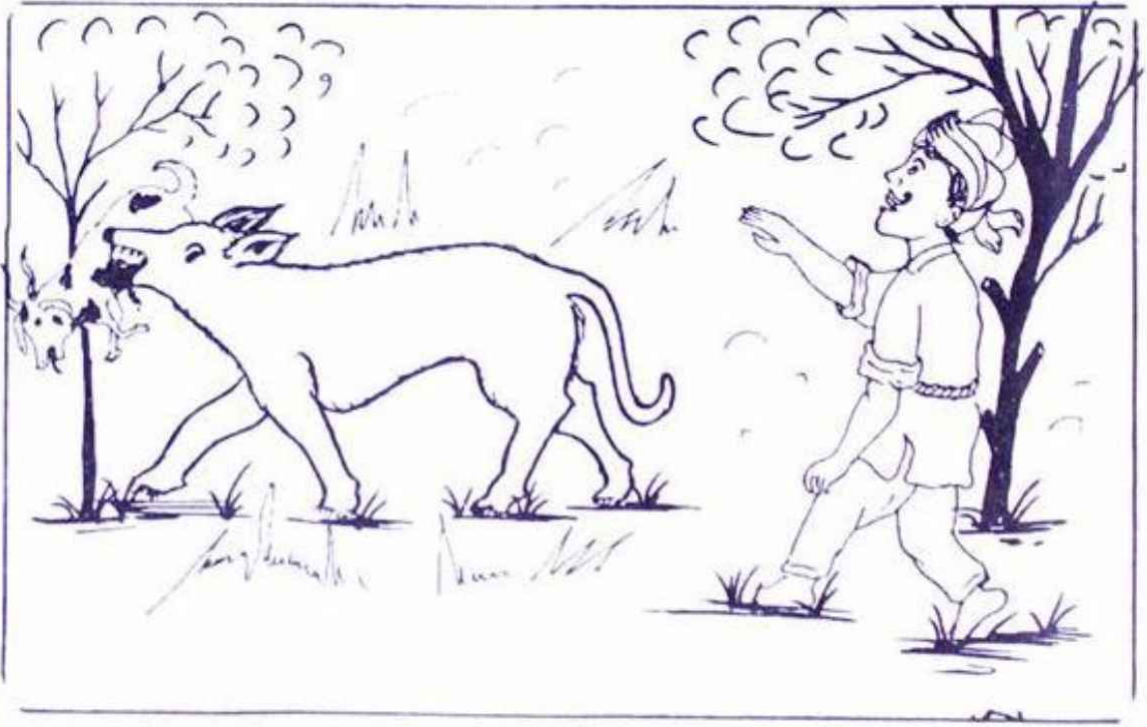
کسی گاؤں میں ایک چَرواہا رہتا تھا جو نزدیک کی ایک چراگاہ میں اپنی بکریوں اور بھیڑوں کو چرایا کرتا تھا۔ چَرواہا مزاجاً بہت شرارتی تھا۔ لوگوں کو پریشان کرنے اور بے وقوف بنانے میں اُسے بہت مزہ آتا تھا۔ ایک روز وہ

اپنے جانوروں کو چراگاہ میں چرا رہا تھا۔ لوگوں کو پریشان کرنے اور بے وقوف بنانے کے لیے اچانک اُسے ایک ترکیب سوُجھی۔ اُس نے زور زور سے چلاّنا شروع کیا: ''دوڑیو گاؤں والو، بھیڑیا بکری لے گیا''۔ اُس نے بُلند آواز میں اسی جملے کو بار بار دُہرایا۔ گاؤں والے اُس کی پُکار سُن کر چراگاہ کی طرف دوڑ پڑے اور بھیڑیے سے بکری کو چھڑانے کے لیے چاروں طرف پھیل گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ لوگ مایوس لَوٹ آئے اور یہ سوچنے لگے کہ بھیڑیا بکری کو بہت دوُر لے گیا ہوگا اور اَب تک اُسے چٹ بھی کر گیا ہوگا۔ وہ جیسے ہی چراگاہ کے قریب آئے، اُنہیں دیکھ کر چرواہا ہنسنے لگا۔ لوگوں نے اُس سے ہنسنے کا سبب پوُچھا تو اُس نے کہا: میری بکری کو بھیڑیا نہیں لے گیا تھا۔ مَیں نے تو تم لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے آواز لگائی تھی۔ گاؤں کے لوگ اُسے بُرا بھَلا کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔

دوسرے دن جب چَرواہا اُسی چراگاہ میں بکریوں اور بھیڑوں کو چَرا رہا تھا کہ اتّفاق سے ایک بھیڑیا اُس کی ایک بکری کو اُٹھا کر لے بھاگا۔ چَرواہے نے پھر اپنی مدد کے لیے گاؤں والوں کو پُکارا اور یہ کہتا رہا کہ آج مَیں کسی کو بے

وقوف نہیں بنا رہا ہوں۔ سچ کہہ رہا ہوں کہ میری بکری کو بھیڑیا لیے جا رہا ہے مگر کسی بھی شخص نے اُس کی فریاد پر دھیان نہیں دیا اور نہ اُس کی مدد کے لیے کوئی وہاں پہنچا۔ اس طرح لوگوں کو بے وقوف بنانے اور دھوکا دینے کی سزا چرواہے کو فوراً مِل گئی۔ اسی وقت سے دھیرے دھیرے چرواہے کا یہ قول ''بھیڑیا بکری لے گیا'' کہاوت کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔

پانی پی کر پوچھے ذات

پانی پی کر کسی کی ذات پوچھنے سے کیا حاصل؟ کسی کام کو کرنے سے پہلے معلومات حاصل کر لینا چاہئے، بعد میں معلومات حاصل کرنا بے سود ہے۔ اس کہاوت کے تعلّق سے ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

ایک برہمَن کسی کام سے کہیں جا رہا تھا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد راستے میں اُسے شدّت کی پیاس محسوس ہُوئی۔ اُس نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو کچھ دور پر اُسے ایک کنواں نظر آیا۔ جس سے ایک آدمی پانی بھر رہا تھا۔ برہمَن اُس

کنویں کے پاس پہنچا اور اُس آدمی سے پانی طلب کیا۔ پیاس کی شدّت کے سبب وہ یہ بھی بھوُل گیا تھا کہ پانی بھرنے والا کس ذات یا مذہب کا ہے۔ پانی بھرنے والے نے اُس برہمَن کو بڑی خوش دلی سے پانی پلایا۔ پانی پینے کے بعد جب برہمَن کی تشنگی دوُر ہُوئی تو اُسے خیال آیا کہ جس شخص نے مجھے پانی پلایا ہے، پتہ نہیں اُس کا تعلّق کس ذات سے ہے؟ یہ سوچ کر برہمَن نے اُس شخص سے اُس کی ذات کے بارے میں دریافت کیا۔ اُس شخص نے کہا: مَیں ذات کا کولی ہوں۔ برہمَن یہ سُن کر بہت پشیمان ہُوا لیکن اَب کیا ہوسکتا تھا؟ کولی نے برہمَن کو مخاطب کر کے کہا: ''پانی پی کر پوُچھے ذات''۔

پہلے آپ، پہلے آپ

حد سے زیادہ تکلّف کرنے پر نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ جب کوئی شخص بہت زیادہ شایستگی اور انکساری کا مظاہرہ کرے یا تکلّف کے سبب کوئی چیز خود نہ لے کر دوسرے کو پیش کرے تو کہتے ہیں۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا واقعہ اس طرح مشہور ہے :

تکلّف کے قائل دو دوست سفر کرنے کے لیے اپنے اپنے گھروں سے نکلے۔ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اُن کی ملاقات ہُوئی۔ ایک دوسرے کو دیکھتے

ہی آداب بجالانے کے لیے دونوں ہی تقریباً ایک ساتھ جھکے اور اپنے اپنے ہاتھ اپنی پیشانیوں تک لے گئے۔ خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد ابھی یہ خلوص و شائستگی کا مظاہرہ کر ہی رہے تھے کہ پلیٹ فارم پر ریل (Train) آ پہنچی۔ جن مسافروں کا سفر ختم ہو گیا تھا وہ لوگ ٹرین سے اُتر رہے تھے اور دوسرے مسافر ٹرین پر چڑھ رہے تھے مگر ان میں سے ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا: قبلہ! تشریف لے چلئے۔ دوسرے دوست نے جواب دیا: اجی حضرت! پہلے آپ۔ پہلے دوست نے پھر کہا: حضور! کیسی بات کرتے ہیں۔ پہلے آپ قدم رنجہ فرمائیں۔ دوسرے دوست نے کہا: حضور والا! پہلے آپ، بندۂ کمترین اس لائق کہاں کہ آپ سے آگے قدم بڑھائے؟ غرض دونوں اسی طرح پہلے آپ، پہلے آپ کرتے رہے اور ریل اسٹیشن سے بے تکلّف روانہ ہوگئی۔ وہاں پر موجود ایک شخص نے برجستہ کہا: یہ کیا کہ ''پہلے آپ، پہلے آپ''۔

اس کہاوت کا ایک کلیدی جملہ اس طرح بھی مشہور ہے۔ ''تکلّف میں ریل چل دی۔''

پیٹ میں درد، دَوا آنکھ کی

درد پیٹ میں ہے اور علاج آنکھ کا۔ جان بوُجھ کر نقصان کرنے یا احمقانہ حرکت کرنے والے کے لیے کہتے ہیں۔ اس کہاوت کے پَس منظر میں ایک حکایت اس طرح مشہور ہے :

ایک مریض نے کسی طبیب کے پاس جا کر کہا: میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے، کوئی دَوا دے دیجئے۔ طبیب نے مریض سے پوُچھا: تم نے کل رات میں کیا کھایا تھا؟ مریض نے جواب دیا: جلی ہوُئی روٹی۔ یہ سُنتے ہی طبیب نے

مریض کی دونوں آنکھوں میں آنکھ کی دَوا ڈال دی۔ مریض نے پوچھا: دَرد تو میرے پیٹ میں ہو رہا ہے، آپ نے میری آنکھوں میں دَوا کیوں ڈالی ہے؟ طبیب نے کہا: اگر تمہاری بینائی ٹھیک ہوتی تو تم جلی ہُوئی روٹی نہ کھاتے اور تمہارے پیٹ میں درد بھی نہ ہوتا۔ اس لیے تمہارے پیٹ کے دَرد سے پہلے تمہاری آنکھوں کا علاج کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد کچھ سوچ کر مریض نے طبیب سے کہا: آپ کی حکمت بھی نرالی ہے ''پیٹ میں درد، دَوا آنکھ کی''۔

پیر کو نہ فقیر کو، پہلے کالے چور کو

اپنے تئیں دوسروں پر مقدّم کرنا۔ اس کہاوت کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی غیر یا کم حیثیت شخص اپنے آپ کو حق داروں پر مقدّم رکھنا چاہئے۔ نذر و نیاز کی وہ چیز جس پر ابھی نذر نہ دی گئی ہو اور کوئی شخص کھانا چاہے تو عورتیں کہتی ہیں۔ جب کوئی غیر مستحق شخص حق دار سے پہلے کسی چیز کا طلب گار ہو تو بھی کہتے ہیں۔ اس کہاوت کے تعلّق سے ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

ایک عورت نے اپنی منّت پوری ہونے پر حضرتِ بی بی فاطمہ کی نذر کے کونڈے بھر کر تیّار کیے۔ وہ فاتحہ دینے کے لیے بہت دیر سے پیر صاحب کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی کہ پیر صاحب تشریف لائیں اور فاتحہ دیں تو دوسرے لوگوں کو بھی کھانا کھلایا جائے۔ اسی اثنا میں اُس عورت نے اچانک ناک سے بولتے ہُوئے کسی شخص کی آواز سُنی جو اُس کے مکان کی ایک کوٹھری کے اندر سے آ رہی تھی۔ ناک سے بولنے والا شخص مِنمِنا مِنمِنا کر کہہ رہا تھا: ''پہلے مَیں، پہلے مَیں''۔ عورت نے اپنا دل کڑا کر کے پوچھا: تُو کون ہے؟ اُدھر سے جواب آیا: مَیں کالا چور ہوں، مَیں نکٹا دیو ہوں، مَیں فتّن فقیر ہوں۔ عورت بے چاری نے مجبور ہو کر کہا: ''پیر کو نہ فقیر کو، پہلے کالے چور کو۔''

اس کہاوت کا کلیدی جملہ کئی طرح سے مشہور ہے جسے کہاوت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جیسے پیر کو نہ شہید کو، پہلے نکٹے دیو کو؛ پیر کو نہ شہید کو، پہلے نکٹے کو چھایا؛ پیر کو نہ فقیر کو، پہلے کانے چور کو وغیرہ۔

❊

تَن لگے دھوپڑی تو بَلا چھائے جھونپڑی

جب جسم پر دھوپ لگنے سے سردی جاتی رہی تو جھونپڑی چھانے کی کیا ضرورت؟ جب کسی ناکارہ شخص کو اپنے مستقبل کی فکر نہ ہو اور وہ عیش ونشاط میں ڈوبا رہے یا ضرورت پڑنے پر کسی چیز کی فکر کرے اور ضرورت باقی نہ رہنے پر بے نیاز ہو جائے تو کہتے ہیں۔ اس کہاوت سے متعلّق ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کسی گاؤں میں ایک بُڑھیا رہتی ہے۔ اُس کا اپنا کوئی مکان نہ تھا۔

گرمی اور برسات کے موسم کے دن تو وہ کسی طرح برداشت کر کے گزار دیتی مگر جب سردی کا موسم شروع ہوتا اور دھیرے دھیرے سردی میں اضافہ ہونے لگتا تو اُس کی راتیں کتنا دُشوار ہو جاتیں۔ رات میں اُسے محسوس ہوتا کہ جیسے دُنیا بھر کی سردی اُس کے بدن میں پیوست ہُوئی جا رہی ہے۔ اسی سردی کے عالم میں وہ سوچتی کہ صبح ہوتے ہی کسی طرح وہ اپنی جھونپڑی پر چھپّر ڈال لے گی۔ جب کسی طرح وہ رات کٹ جاتی اور سویرا ہوتا، سورج نکلتا اور اُسے دھوپ لگتی تو رات کی سردی کا احساس جاتا رہتا۔ وہ جھونپڑی چھانے کا خیال اپنے دل سے نکال دیتی۔ دوسری رات کو جب اُسے پھر سردی لگتی تو پھر عہد کرتی کہ اَب صبح ہوتے ہی جھونپڑی ضرور چھالوں گی مگر صبح ہوتے ہی جہاں اُسے پھر دھوپ لگتی، سردی جاتی رہتی تو پھر جھونپڑی چھانے کا خیال اپنے دل سے نکال کر کہتی ''تن لگے دھوپڑی تو بلا چھائے جھونپڑی''۔

٭

تیس مار خاں بنے پھرتے ہیں

بڑے بہادُر ہیں۔ بہت اکڑفوں کرتے ہیں۔نہایت عقل مند ہیں۔

جب کوئی شخص خود کو بے وجہ بہادُر، عقل مند یا اپنی حیثیت سے زیادہ خیال کرے اور اُس کا مظاہرہ بھی کرے تو طنزاً کہتے ہیں۔اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک حکایت ہے جو اس طرح مشہور ہے :

ایک بوڑھا سپاہی مدّت سے بیکار تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے گھر کا سارا سامان بیچ بیچ کر کھا گیا۔ اُس کی بیوی اکثر اُس سے کہا کرتی تھی کہ تم کمانے کیوں نہیں

جاتے ہو۔ کب تک یوں ہی سامان بیچ بیچ کر کھاتے رہو گے؟ جب سارا سامان فروخت ہو گیا اور پاس کچھ نہ بچا تو اُس نے ایک دن مجبور ہو کر اپنی بیوی سے کہا: میرا ارادہ ہے کہ روزگار کی تلاش کے لیے کل کسی طرف کو جاؤں۔ تم کہیں سے کچھ انتظام کر کے میرے لیے ناشتہ تیّار کر دینا۔ اُس کی بیوی رات کو مُنہ اندھیرے اُٹھی۔ چوُرے کے لڈّو تیّار کرنے کے لیے اُس نے چوُرے کو اُوکھلی میں کوٹنا شروع کیا۔ جس اُوکھلی میں وہ چوُرا کوُٹ رہی تھی، اُس کے اندر ایک زہریلا سانپ کُنڈلی مارے پہلے سے بیٹھا تھا۔ چوُرا ڈال کر کوُٹنے سے وہ بھی کُٹ کر چورے میں مل گیا۔ بیوی نے تیس دن کے ناشتے کے لیے تیس لڈّو بنا کر ایک کپڑے میں باندھ کر اپنے میاں کے حوالے کر دیے۔ وہ صبح ہی روانہ ہو گیا۔ جب چلتے چلتے دوپہر ڈھلی اور اُسے بھوُک معلوم ہُوئی تو وہ ایک کنویں کے پاس درخت کے سائے تلے ٹھہر گیا۔ وہ مُنہ ہاتھ دھونے کے لیے کنویں سے پانی بھر رہا تھا کہ ناگاہ وہاں تیس راہزن آ پہنچے۔ اُنھوں نے سپاہی کو بہت ڈرایا دھمکایا کہ اُس کے پاس جتنا مال ہو سب نکال کر اُن کے حوالے کر دے۔ سپاہی نے گڑگڑا گڑگڑا کر اپنی ناداری کا حال بیان کیا مگر رہزنوں

نے اُس پر ترس نہ کھایا۔ آخرش سپاہی نے محسوس کیا کہ یہ کچھ لیے بغیر ٹلنے
والے نہیں ہیں تو اُس نے نہایت عاجزی سے کہا: میرے پاس صرف تیس لڈّو
ہیں جو میری بیوی نے ناشتے کے لیے دیے ہیں۔ یہ پیش ہیں۔ یہ میرا ایک مہینے
کا ناشتہ ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ رہزنوں نے اُس سے
سارے لڈّو چھین لیے اور ایک ایک لڈّو کھا گئے۔ سپاہی نے کچھ دیر کے بعد
دیکھا کہ ان رہزنوں کا حال خراب ہونے لگا ہے۔ کوئی وہیں پر گرا پڑا ہے، کوئی
اونگھ رہا ہے اور کوئی پِنک میں ہے۔ سپاہی نے سوچا: ابھی تو یہ سب بھلے چنگے
تھے۔ لڈّو کھاتے ہی انہیں اچانک کیا ہو گیا؟ وہ اُن کے پاس گیا تو اُس نے
سب کو بے ہوش پایا۔ اُن میں سے کچھ راہزن تو مَر چُکے تھے باقی سِسک رہے
تھے۔ اُس وقت اُس نے سپاہیانہ داؤں کھیلا۔ سب کے ناک اور کان کاٹ کر
اُسی کپڑے میں باندھ لیے جس میں لڈّو بندھے تھے اور وہاں سے اپنی منزل
کی طرف چل دیا۔

وہ وہاں سے چل کر ایک شہر میں پہنچا۔ اُس شہر کا یہ دستور تھا کہ ہر نیا
مسافر بادشاہ کے سامنے حاضر کیا جاتا تھا۔ جب یہ سپاہی بادشاہ کے سامنے

حاضر کیا گیا تو دربار میں اُس کا کُل حال پوُچھا گیا۔ اُس وقت اُس نے خوب شیخی بگھاری۔ اپنے باپ دادا کی جواں مردی کا حال بیان کیا۔ بادشاہ نے کہا: اَب تم اپنا حال بیان کرو۔ اُس وقت اُس نے اُن تیس رہزنوں کے ناک کان بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیے، جو اُس نے کاٹ کر کپڑے میں باندھ لیے تھے۔ دراصل یہ وہ راہزن تھے جنہوں نے ساری سلطنت میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ ہزاروں قافلے لوٹ لیے تھے، سیکڑوں آدمیوں کو مار ڈالا تھا اور اَب تک یہ راہزن کسی کے ہاتھ نہ آئے تھے۔ اُن کے ناک کان دیکھ کر اور یہ سُن کر کہ تمام رہزنوں کو اُس نے مار ڈالا ہے بادشاہ بہت خوش ہُوا۔ بادشاہ نے بوُڑھے سپاہی کی بہت عزّت کی، خلعت و انعام سے نوازا، جاگیر عطا کی اور تیس مار خاں کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد جب وہ اپنے گاؤں گیا اور لوگوں کو اُس کے اس عمل کا پتہ چلا تو اُسے چھیڑنے کے لیے لوگ کہنے لگتے: ''تیس مار خاں بنے پھرتے ہیں''۔

❋

جو چڑھے گا، سُو گرے گا

صاحبِ کمال ہی دھوکا کھاتے ہیں۔ جو ترقّی کرتا ہے وہ نقصان بھی اُٹھاتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کام میں ناکام ہوجاتا ہے تو اُس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کہتے ہیں۔اس کہاوت کے تعلّق سے ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :
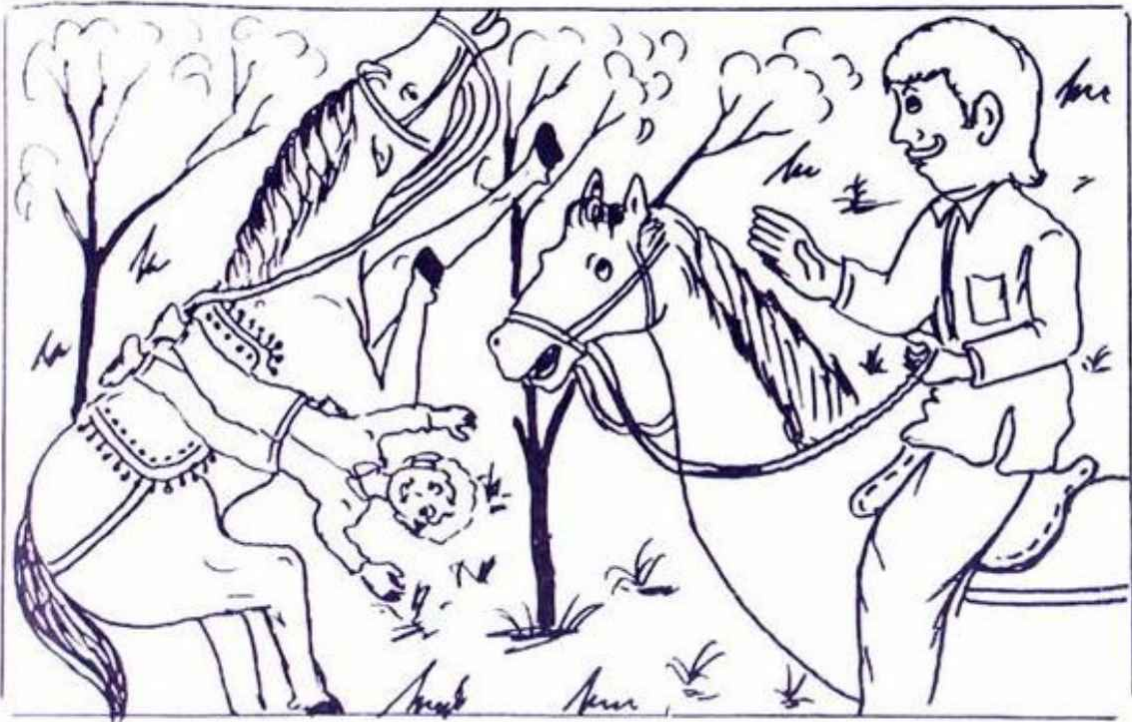
ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں ایک سنسان جنگل پڑتا تھا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد بیچ راستے میں ایک سیاہ ناگ پھن

پھیلائے ہوئے بیٹھا تھا جسے دیکھ کر گھوڑا بِدک کر سیخ پا ہو گیا۔ گھوڑے کے اچانک بِدکنے پر سوار سنبھل نہ سکا اور زمین پر آ گرا۔ گھوڑے کے بِدکتے ہی سانپ نے اپنی راہ لی۔ اتفاق سے اُسی وقت گھوڑے پر سوار دوسرا شخص وہاں آ پہنچا۔ زمین پر گرے ہوئے سوار کو دیکھ کر اُس نے مسکراتے ہوئے طنزاً کہا: میاں! تم کیسے سوار ہو؟ گھوڑے کے ذرا سے بِدکنے پر خود کو سنبھال نہ سکے اور زمین پر آ گرے۔ سوار نے جواب دیا: کیا تم یہ بھی نہیں جانتے کہ ''جو چڑھے گا، سُو گرے گا۔''

جیسے کو تیسا

جو جیسا ہوتا ہے اُس کو ویسا ہی شخص مل جاتا ہے۔ جو شخص جیسا سلوک کرے اُس کے ساتھ ویسے ہی پیش آنا چاہئے۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک مشہور حکایت ہے جو اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کسی گاؤں میں ایک رئیس کے پاس ایک ہاتھی تھا۔ جسے وہ روزانہ صبح کے وقت تالاب پر نہلانے اور پانی پلانے کے لیے لے جایا کرتا تھا۔ اُس کے

راستے میں ایک درزی کی دُکان تھی۔ درزی اُس ہاتھی کو بہت چاہتا تھا۔ ہاتھی جب درزی کی دُکان پر پہنچتا تو درزی اُسے کھانے کے لیے کبھی کیلے اور کبھی دوسری چیزیں دے دیا کرتا تھا۔ اس طرح کے سلوک سے ہاتھی بھی درزی سے مانوس ہو گیا تھا اور اُسے اپنا ہمدرد اور بہی خواہ سمجھنے لگا تھا۔ رفتہ رفتہ ہاتھی اور درزی ایک دوسرے کے پکّے دوست ہو گئے تھے۔

کچھ دن کے بعد ایک روز درزی کو کسی کام سے شہر جانا پڑا۔ اُس کا لڑکا دُکان پر بیٹھا تھا۔ لڑکا بہت شرارتی تھا۔ تالاب کی طرف جاتے وقت روزانہ کی طرح درزی کی دُکان کے سامنے ہاتھی رُک گیا اور جیوں ہی اُس نے اپنی سونڈ کو دُکان کے اندر داخل کیا، درزی کے لڑکے نے کچھ کھلانے کے بجائے اُس کی سونڈ میں سُوئی چُبھو دی۔ ہاتھی کو اُس پر بہت غصّہ آیا لیکن وہ چُپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

تالاب سے نہانے اور پانی پینے کے بعد لوٹتے وقت ہاتھی نے بہت سا گندہ پانی اپنی سونڈ میں بھر لیا۔ وہ سیدھا درزی کی دُکان پر پہنچا۔ اُس نے سارا گندہ پانی درزی کے لڑکے پر اپنی سونڈ سے اُنڈیل دیا۔ دُکان کے بہت

سے کپڑے خراب ہو گئے۔ لڑکے کو اپنے کیے پر بہت افسوس ہُوا۔

کچھ دیر کے بعد جب درزی شہر سے واپس آیا اور پورے واقعہ کا اُسے پتہ چلا تو اُس نے کہا: ہاتھی کا کیا قصور، ٹھیک ہے! ''جیسے کو تَیسا''۔ اَب پچھتانے سے کیا فائدہ؟

چُپ کی داد خدا دیتا ہے

صابر و شاکر ہمیشہ عافیت میں رہتا ہے۔ خدا مظلوم کی مدد کرتا ہے۔
اس کہاوت کے پَس منظر میں ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کسی مرشد نے اپنے مرید کو نصیحت کی کہ چُپ کی داد خدا دیتا ہے۔
اللہ تعالٰی مظلوموں کی مدد کرتا ہے۔ مرشد کی اس نصیحت پر وہ مرید عمل کرنے
لگا۔ ایک مرتبہ وہ مرید اور ایک نیزہ بردار سپاہی ایک کشتی میں بیٹھے ہُوئے
ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ کسی بات سے ناراض ہو کر سپاہی نے وہ نیزہ مرید

کے ہاتھ پر مار دیا جس سے وہ زخمی ہوگیا اور اُس کے ہاتھ سے خون بہنے لگا لیکن مرید نے اُف تک نہ کی۔ وہ صبر کیے خدا کو یاد کرتا رہا۔ سپاہی نے اپنا نیزہ کشتی کے ایک کنارے پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پانی کے تیز بہاؤ کے سبب کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ کشتی میں سوار سبھی مسافر ڈگمگانے لگے۔ سپاہی کا توازن بھی بگڑ گیا، وہ اپنے آپ کو بہت دیر تک سنبھال نہ سکا۔ قضارا دیکھتے ہی دیکھتے اُسی نیزے پر اس طرح گر پڑا کہ نیزے کی اَنی اُس کے پیٹ میں گھُس گئی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ہلاک ہوگیا۔ یہ دیکھ کر کسی مسافر نے کہا: ''چُپ کی داد خدا دیتا ہے''۔

چور کا مال سب کوئی کھائے، چور کی جان اَکارَت جائے

بُرے شخص کو ضرر کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بدمعاش ہمیشہ گھاٹے میں رہتا ہے۔ اُس کو آخر میں نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سب ایک حکایت ہے جو اس طرح مشہور ہے :
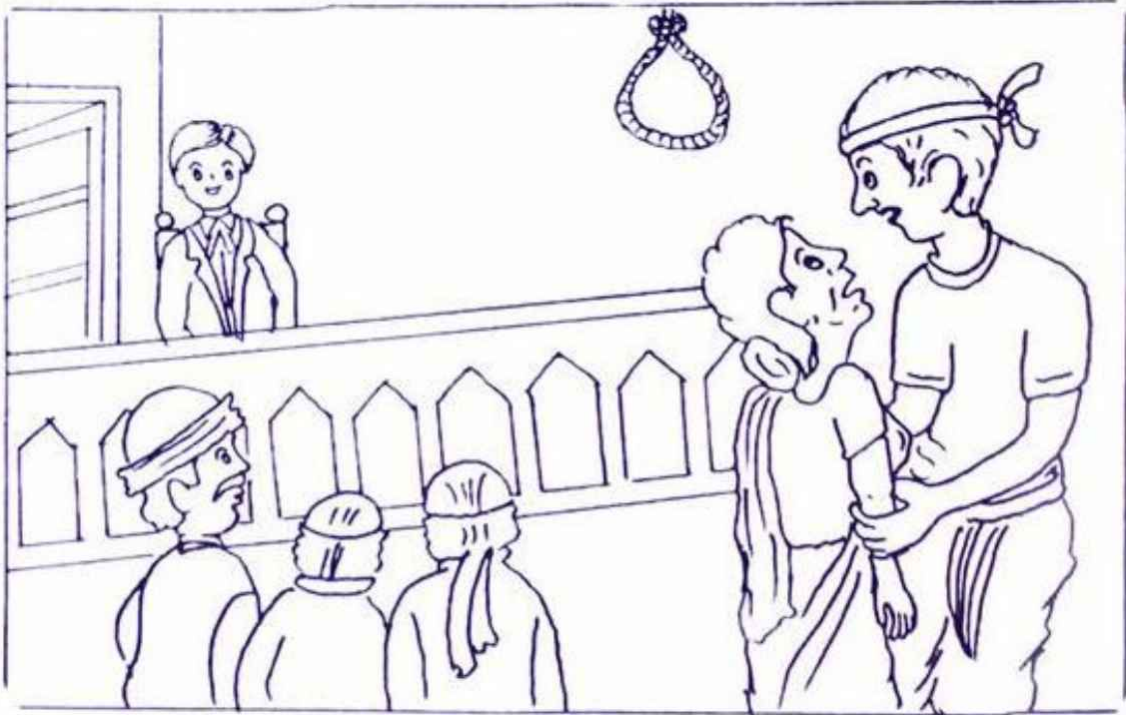
ایک شخص نے کسی کے گھر میں چوری کی اور مکان کے مالک کو قتل بھی کر دیا۔ سپاہیوں نے اُسے گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا۔ جُرم ثابت ہونے پر مُنصف نے پھانسی کا حُکم دیا۔ پھانسی کے وقت مُجرم کی آخری خواہش کو

پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ جس سے ملنا چاہتا ہے اُس سے ملایا جاتا ہے یا وہ جس چیز کو کھانے کی خواہش کرتا ہے اُسے وہ چیز مہیا کرائی جاتی ہے۔

قانون کے مطابق اُس مجرم سے بھی اُس کی آخری خواہش کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ اُس نے اپنی ماں سے آخری ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ مُنصف نے ملنے کی اجازت دے دی۔ جب اُس کی ماں اُس سے ملنے کے لیے آئی تو اُس نے اُس کو اپنے قریب بُلا کر کہا: مَیں تیرے کان میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ اُس کی ماں نے بات سُننے کے لیے جب اپنے کان کو اپنے مُجرم بیٹے کے مُنہ کے پاس کیا تو بیٹے نے ماں کا کان دانتوں سے کُتر دیا، جس کی تکلیف سے وہ بِلبِلا اُٹھی۔ لوگوں نے چور بیٹے پر لعنت و ملامت کی اور کہا: کس قدر کمینہ اور نالائق ہے کہ ایسے وقت بھی اپنی شرارت سے باز نہ آیا۔ جب بیٹے نے لوگوں کی باتیں سُنیں تو اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اے لوگو! مَیں بَچپَن ہی سے چوری کرنے کا عادی ہوں۔ شروع میں گھر کی چھوٹی موٹی چیزوں کو چُرایا کرتا تھا مگر میری اس ماں نے گھر کی چیزیں چُرائے جانے پر کبھی باز پُرس نہیں کی۔ مَیں دھیرے دھیرے پاس پڑوس کے لوگوں کی

چیزیں چُرانے لگا۔ بڑا ہو کر اس کام میں مشاق ہو گیا اور پھر بڑی بڑی چوریاں کرنے لگا۔ میری ماں نے کبھی میرے اس نازیبا فعل پر سرزنش نہیں کی بلکہ خوشی خوشی گھر کے سب لوگ میرے چوری کے مال کو اُڑاتے رہے یعنی اپنے مصرف میں لاتے رہے۔ اگر شروع ہی میں مجھ کو اس کام سے روکا جاتا، تنبیہہ کی جاتی تو آج یہ روزِ بَد تو دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ یہ سب مزے میں رہے اور میری جان پر بَن آئی۔ یہ سُن کر ایک شخص چیخ کر کہنے لگا: ''چور کا مال سب کوئی کھائے، چور کی جان اَکارَت جائے''۔

دونوں دین سے گئے پانڈے، حلوا ملا نہ مانڈے

اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔ زیادہ ہوَس میں جو ملنا تھا وہ بھی کھویا ۔۔جب کوئی شخص ایسا کام کرے جس کے سبب اُسے ہر طرح نقصان اُٹھانا پڑے تو کہتے ہیں۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک واقعہ ہے جو اس طرح بیان کیا جاتا ہے :

مذہبِ اسلام کے اصولوں سے متاثر ہوکر ایک برہمن مسلمان ہوگیا جسے سب لوگ پانڈے کہتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد اُس نے سوچا کہ مَیں

نے ہندو دھرم کو چھوڑ کر اور مذہبِ اسلام کو اختیار کر کے اچھا نہیں کیا ہے۔ لٰہذا اُس نے مذہبِ اسلام کو ترک کرنے اور دوبارہ ہندو دھرم اختیار کرنے کا اِرادہ کیا۔ اُس نے پنڈتوں سے شُدّھی کرن (शुद्धिकरण) اور ہندو دھرم میں داخل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ پنڈتوں نے ہندو دھرم کے اصولوں کے مطابق اُسے دوبارہ ہندو دھرم اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کے بعد وہ پھر مولوی صاحب کے پاس گیا اور اُن سے التجا کرنے لگا کہ اُسے پھر سے مذہبِ اسلام میں شامل کر لیا جائے۔ مولوی صاحب نے اُس سے کہا: تم ڈُھلمُل یقین ہو اور مذہبِ اسلام میں ایسے شخص کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے وہ مذہبِ اسلام سے بھی گیا اور ہندو دھرم سے بھی گیا۔ غرض وہ کسی طرف کا نہیں رہا۔ اس طرح ''پانڈے دونوں دین سے گئے''۔ اُسے نہ تو مسلمانوں کے گھر کا حلوا کھانے کو ملا اور نہ وہ ہندوؤں کے گھر کے مانڈے ہی کھا سکا۔

رفتہ رفتہ اس لوک کہانی کا یہ جملہ کہ ''دونوں دین سے گئے پانڈے، حلوا ملا نہ مانڈے''۔ کہاوت کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔

دھان بچارے بھلّے جو کوٹا، کھایا، چلّے

دھان سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ کوٹا، کھایا اور چل دیے۔ یہ دراصل ایک طنز ہے جو کسی کام کے مشکل ہونے پر کہا جاتا ہے۔ دھان کوٹ کر چاوَل نکالنا اور چاوَل سے بھات بنانا کوئی آسان کام نہیں۔ اسی لیے جب کوئی شخص کسی مشکل کام کو آسان کہے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔ اس کہاوت کے پَس منظر میں ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کسی سرائے میں دو مسافر ٹھہرے ہُوئے تھے۔ اُن میں آپس میں

دوستی ہو گئی۔ ایک مسافر کے پاس کھانے کے لیے تھوڑے سے سَتّو تھے اور دوسرے کے پاس دھان۔ جب آپس میں کھانے پینے کی بات چلی تو سَتّو والے مسافر نے کہا: میرے پاس تو سَتّو ہیں۔ مَیں اِنہیں کھا کر اگلی منزل کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ دھان والے مسافر نے کہا: تمھیں بہت دیر لگے گی۔ میرے پاس دھان ہیں۔ کوٹ پھٹک کر فوراً کھا لوں گا اور یہاں سے چل پڑوں گا۔ تمھیں یہاں سے روانہ ہونے کی مجھ سے زیادہ جلدی ہے۔ تم سَتّو کو کس طرح جلدی کھا سکو گے کیوں کہ ''ستّو من بھتّو، گُڑ یا نمک ڈالو پھر پانی ڈالو، پھر گھولو، پھر کھاؤ''۔ اور ''دھان بچارے بھلّے جو کوٹا، کھایا، چلّے'' اگر تمھیں یہاں سے جانے کی جلدی ہے تو میرے دھان سے ستّو بدل کر اور دھان کھا کر یہاں سے جلدی روانہ ہو جاؤ۔ ستّو والا مسافر سیدھا اور بھُولا تھا۔ اس لیے وہ دھان والے کے بہکانے میں آ گیا۔ اُس نے اپنے ستّو کے بدلے اُس کے دھان لے لیے۔ اَب کیا تھا وہ تو ستّو کھا کر چلتا بنا اور دوسرا مسافر دھان کو کوٹتا ہی رہ گیا۔

※

ڈھول کے بھیتر پول

اصل میں کچھ نہیں، محض دکھاوا اور رعب۔ جب کسی چیز یا شخص کی اصلیت کچھ نہ ہو اور ظاہری نمائش بہت ہو تو کہتے ہیں۔ اس کہاوت کے پس منظر میں ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کسی جگہ ایک ڈوم اور جاٹ نے مل کر کھیتی باڑی کا کام شروع کیا۔ جاٹ تو کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہتا اور بڑی محنت و مشقت کے ساتھ

کھیتی کرتا۔ ڈُوم کھیت کا کوئی کام کرنے کے بجائے کسی نہ کسی بہانے سے ٹل جاتا۔ اس طرح ڈُوم نے ایک دن بھی کھیتی باڑی کی فکر نہیں کی۔ یہاں تک کہ فصل پک کر تیار ہوگئی۔ فصل کی کٹائی کے بعد غلّہ کا ڈھیر بھی لگ گیا۔ اُس وقت بھی ڈُوم نے کوئی خبر نہ لی۔

ایک روز کچھ لوگوں نے جاٹ کو سمجھایا کہ ساری محنت تو تم نے کی ہے اور ڈُوم برابر کا حصّہ دار ہوگا اور نصف غلّہ پر اپنا حق جتائے گا۔ اس لیے تم ڈُوم کو جَو دے دینا اور گیہوں خود لے لینا۔ کسی طرح ڈُوم کو اس بات کا پتہ چل گیا۔ وہ فوراً ہی کھلیان میں آدھمکا اور اُس نے جاٹ سے کہا: یہ مناسب نہیں کہ تم گیہوں کو خود اپنے پاس رکھو اور جَو مجھے دو۔ مَیں برابر کا حصّہ دار ہوں۔ نہ تم کسی کے بہکاوے میں آؤ اور نہ مَیں کسی کی بات مانوں۔ میرے پاس ایک ڈھول ہے۔ وہ جس طرح کہے اُسی طرح فصل کا بٹوارا کیا جانا بہتر ہوگا۔ یہی خدا لگتی بات ہے۔ جاٹ اُس کی باتوں میں آکر راضی ہوگیا۔ کچھ دیر کے بعد ڈُوم اپنے گھر گیا۔ وہ وہاں سے ایک بہت بڑا ڈھول لے کر آ گیا۔ ڈُوم نے اپنی ایک لڑکی کو سکھا پڑھا کر اُس ڈھول میں پہلے ہی سے بیٹھا دیا تھا۔ اَب ڈُوم نے

ڈھول بجانا شروع کیا۔ لڑکی نے ڈھول کے اندر سے آواز دی: جَو جَٹ (جاٹ) بانٹ کھائے اور گیہوں کھائے ڈُوم۔ مجبوراً وعدے کے مطابق جاٹ کو اپنے حصّہ میں جَو لینا پڑے اور ڈُوم گیہوں لے کر خوشی خوشی اپنے گھر آ گیا۔ جاٹ کو کیا معلوم تھا کہ ''ڈھول کے بھیتر پُول'' ہے یعنی ڈھول کے اندر سے جو آواز آ رہی ہے وہ ڈھول کے اندر بیٹھی ہوئی ڈوم کی لڑکی کی ہے۔

ریچھ کی آشنائی، اپنی جان گنوائی

نادان کی دوستی وبالِ جان ہوتی ہے۔ نادان، خود غرض اور بے مروّت شخص کی دوستی سُودمند نہیں ہوتی۔ اس کہاوت کے پَس منظر میں ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :
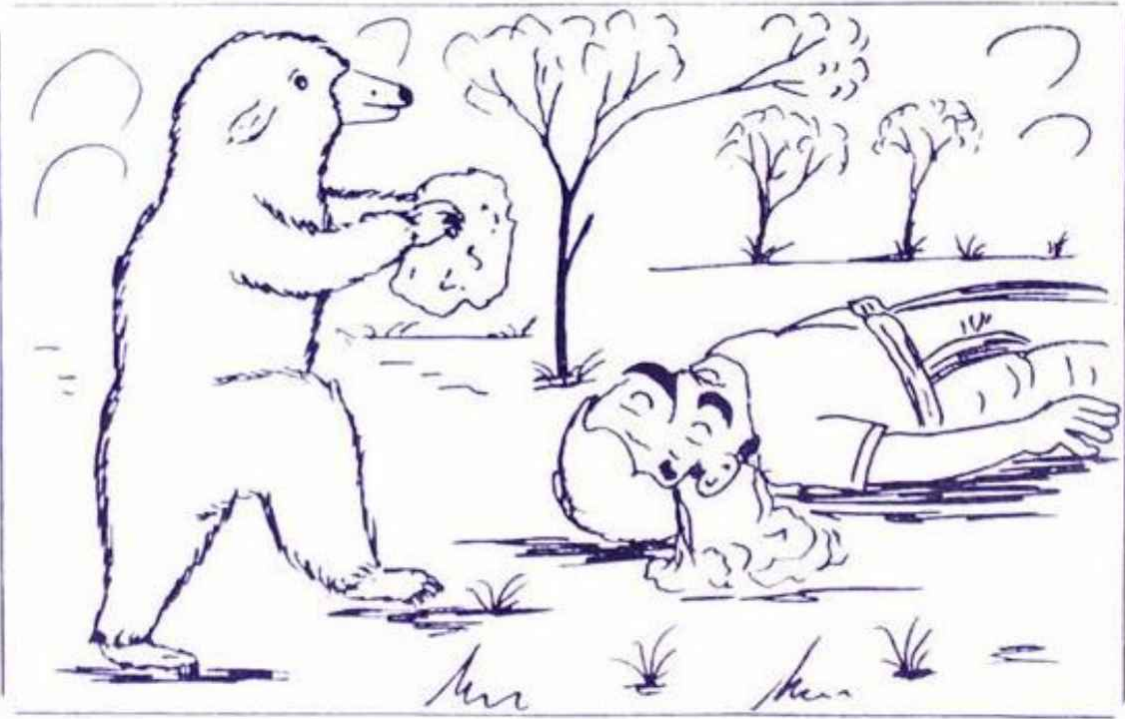
ایک آدمی نے ایک ریچھ پال رکھا تھا جو اُس سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔ اُس شخص کا بیشتر وقت اُس ریچھ کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ ایک روز وہ آدمی اُس ریچھ کے زانو پر سَر رکھ کر سُو گیا۔ کچھ دیر کے بعد اُس خوابیدہ آدمی کے مُنہ

پر مکھّیاں بیٹھنے لگیں۔ وہ ریچھ کچھ دیر تک تو مکھّیوں کو اُڑاتا رہا لیکن مکھّیاں تھیں کہ بار بار آکر اُس کے مُنہ پر بیٹھ جاتی تھیں اور اُس آدمی کی نیند میں خلل ڈال دیتی تھیں۔ جب ریچھ مکھّیاں اُڑا اُڑا کر پریشان ہو گیا تو اُس نے سوچا: کیوں نہ مُنہ پر بیٹھی ہُوئی تمام مکھّیوں کو مار دیا جائے۔ اس طرح ان مکھّیوں سے اُس کے مالک کو نجات مل جائے گی۔ لہٰذا ریچھ نے قریب پڑے ہُوئے ایک بھاری پتھّر کو اُٹھایا اور اُس آدمی کے مُنہ پر اُس جگہ زور سے دے مارا جہاں پر مکھّیاں بیٹھی ہُوئی تھیں۔ مکھّیوں کو تو اُڑنا ہی تھا، وہ اُڑ گئیں مگر اُس نادان ریچھ کے ہاتھوں ریچھ کی آشنائی کرنے والا شخص پتھّر کی شدید چوٹ کی تاب نہ لا کر فوت ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد جب وہاں سے کوئی شخص گزرا اور اُسے اس واقعہ کا عِلم ہُوا تو اُس نے کہا: ''ریچھ کی آشنائی، اپنی جان گنوائی۔''

✲

ساٹھ گاؤں بکری چَر گئی

کوئی ناممکن بات یا حیرت انگیز واقعہ کا رونما ہونا۔ اس کہاوت کا استعمال اُس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی ناقابلِ یقین بات کو منوانے کی کوشش کرے۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک حکایت ہے جو اس طرح بیان کی جاتی ہے :
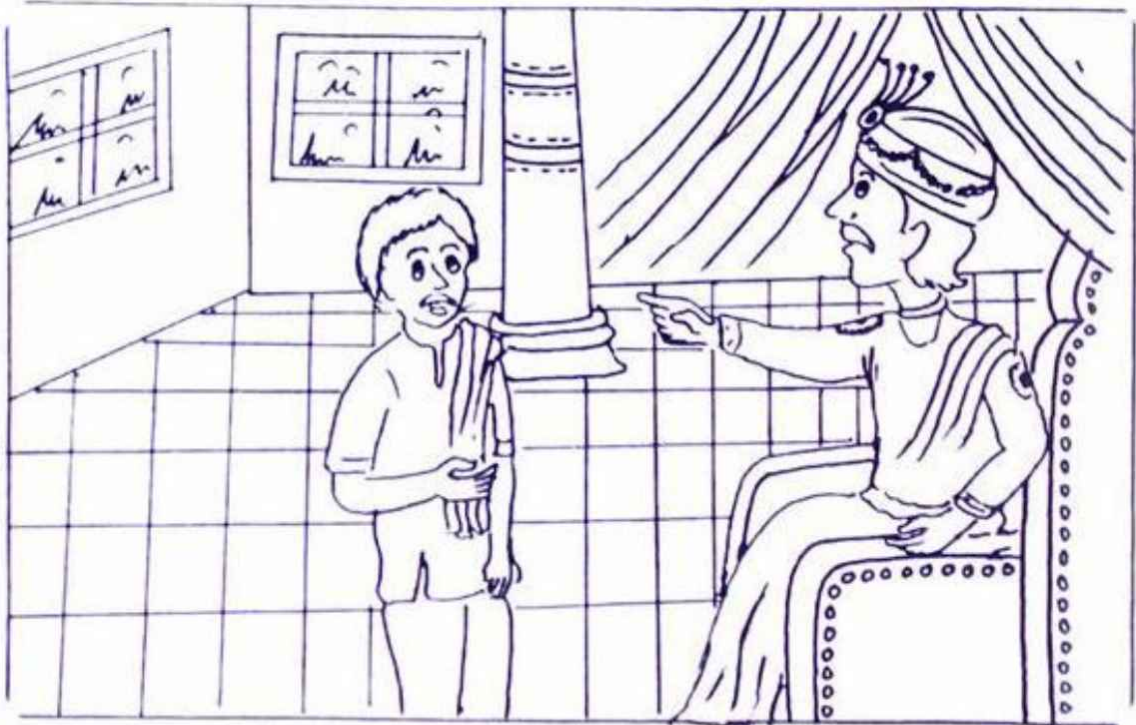
کسی جنگل میں ایک غریب چرواہا رہتا تھا۔ ایک دن اُس مُلک کا بادشاہ اپنے وزیر کے ساتھ جنگل کی سَیر کو نکلا۔ اُنہیں گھومتے گھومتے رات ہو

گئی تو وہ اُسی چرواہے کی کٹیا میں ٹھہر گئے۔ چَرواہے نے بادشاہ اور اُس کے وزیر کی بہت خدمت کی۔ حسبِ حیثیت تواضع اور خاطر داری کی۔ اُس کی خدمت سے خوش ہوکر چلتے وقت بادشاہ نے ایک پتّے پر فرمان لکھ کر اُسے ساٹھ گاؤں کی سرداری عطا کر دی اور اُس سے کہہ دیا کہ اسے لے کر کل دربار میں آجانا۔ بادشاہ کے جانے کے بعد اُس غریب چَرواہے نے پتّے کو کہیں رکھ دیا جسے اُس کی بکری کھا گئی۔ بے چارہ بہت فکرمند ہوا۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ افسوس ''ساٹھ گاؤں بکری چر گئی''۔ وہ پھر بھی بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور بادشاہ کے سامنے اپنے دُکھ بھرے قصّے کو رو رو کر بیان کیا۔ بادشاہ نے ہَنس کر کہا: جب ''ساٹھ گاؤں بکری چَر گئی'' تو اَب کیا کیا جائے؟ جو تمہارے مقدّر میں تھا وہ ہُوا۔ اَب مَیں کیا کرسکتا ہوں؟

بعض لوگوں کے مطابق بادشاہ نے اُس غریب چَرواہے سے کہا: ''ساٹھ گاؤں بکری چَر گئی'' تو اس میں فکرمند ہونے کی کیا بات ہے؟ مَیں دوسرا فرمان لکھوا کر تم کو عطا کر دوں گا۔ جاؤ! عیش کرو۔

٭

سارا گھر جل گیا تب چوڑیاں پوچھیں

یہ کہاوت اُس اُوچھے شخص کی نسبت کہتے ہیں جو اتّفاق سے اچھّی چیز پہن کر لوگوں کو دکھانے کی کوشش کرے یا ایسے موقع پر بھی کہتے ہیں جب کوئی شخص نام ونمود کی خواہش میں اپنا سب کچھ لُٹا دے تب کہیں کچھ لوگ اُس کی طرف متوجہ ہوں۔ اس کہاوت کے پَس منظر میں ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کسی کم ظرف عورت نے عید کے دن نہایت خوب صورت سونے کی
چوڑیاں پہنیں۔ اُس نے ہر ایک کو کسی نہ کسی بہانے سے اشارہ کر کر کے اپنی
چوڑیوں کو دکھانے کی ناکام کوشش کی مگر کسی نے چوڑیوں کی طرف توجّہ نہیں کی۔
آخر کار وہ مایوس ہو گئی۔ پھر لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے اس کے دماغ میں
ایک ترکیب آئی۔ اسی ترکیب پر عمل کرتے ہوئے اُس نے اپنے مکان میں
تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے گھر سے شعلے بُلند ہونے
لگے۔ لوگ آگ بجھانے کے لیے دَوڑ پڑے۔ کچھ دیر کے بعد کسی نے پوٗچھا:
آگ کیسے لگی؟ عورت نے ہاتھ اُٹھا کر چوٗلھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہا: آگ وہاں سے لگی ہے۔ اُس نے محسوس کیا کہ اب بھی کسی کی نظر اُس کی
نئی اور قیمتی چوٗڑیوں کی طرف نہیں گئی ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو پھیلا پھیلا کر
بتانے لگی کہ اِدھر بھی پانی ڈالو اور اُدھر بھی آگ بُجھاؤ۔ ایسا بار بار کرنے سے کسی
کی نظر اتفاق سے اُس کی چوٗڑیوں پر جا پڑی اور اُس نے پوٗچھ لیا:
یہ سُونے کی چوٗڑیاں کہاں سے منگوائیں ہیں؟ نہایت خوب صورت
ہیں، بہت قیمتی معلوم ہوتی ہیں۔ عورت نے تیوَر بدل کر جواب دیا: اَب کیا

فائدہ! جب ''سارا گھر جل گیا تب چوڑیاں پوچھیں''۔

دوسری حکایت میں چوڑیوں کے بجائے سونے کی انگوٹھی کا ذکر کیا گیا ہے یعنی وہ عورت اپنی کلائیوں میں چوڑیوں کے بجائے اپنی انگلی میں سونے کی نقشین وخوب صورت انگوٹھی پہنے ہوئی تھی۔

سمجھنے والے کی مَوت ہے

دانش مند کو بڑی دقّتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو سمجھتا ہے وہی پریشان رہتا ہے۔ عقل مند کو اپنی آبرو کی فکر کے ساتھ دُنیا کے تمام مسائل کی فکر کرنا پڑتی ہے۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کے تعلّق سے اکبر اور بیربَل کا ایک قصّہ اس طرح مشہور ہے :

ایک بار اکبر بادشاہ کے دربار میں گانے کی محفل سجی ہُوئی تھی۔ سامعین میں سے اکثر سَر ہلا ہلا کر گانے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اکبر کو اُن کی یہ

حرکت ناگوارِ خاطر ہُوئی۔ اُس نے حُکم دیا کہ اب کوئی بھی درباری گانا سُننے کے دَوران اپنا سَر نہیں ہلائے گا۔ اگر ہلائے گا تو سمجھ لے کہ اُس کی مَوت اُس کے سامنے کھڑی ہے۔ سامعین میں سے اکثر موسیقی کے علم سے ناواقف تھے۔ اُنہوں نے اپنا سَر ہلانا بند کر دیا۔ کچھ درباری خوف کے مارے خاموش ہو رہے۔ بیربل موسیقی کے علم و ہُنر میں مہارت رکھتا تھا۔ اُس سے رہا نہ گیا۔ وہ اپنا سَر ہلا ہلا کر گانے سے محظوظ ہونے لگا۔ اُس نے اپنا سَر ہلاتے ہُوئے بادشاہ سے عرض کیا: جہاں پناہ! اور درباریوں کی بات دوسری ہے لیکن جو موسیقی کے فَن کو سمجھتا ہے اُس سے سَر ہلائے بغیر نہیں رہا جائے گا۔ اس لیے ''سمجھنے والے کی مَوت ہے۔''

سُونا سُنار کا، اَبھرَن سنسار کا

سُنار سُونے میں کھوٹ ملا دیتا ہے اور زیور کی خوب صورتی مالک کے حصّہ میں رہ جاتی ہے۔ یہ کہاوت اُس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص دغا سے کسی کا مال ٹھگ لے اور وہ دیکھتا رہ جائے۔ اس کہاوت کے پَس منظر میں ایک لوک کہانی اس طرح بیان کی جاتی ہے :
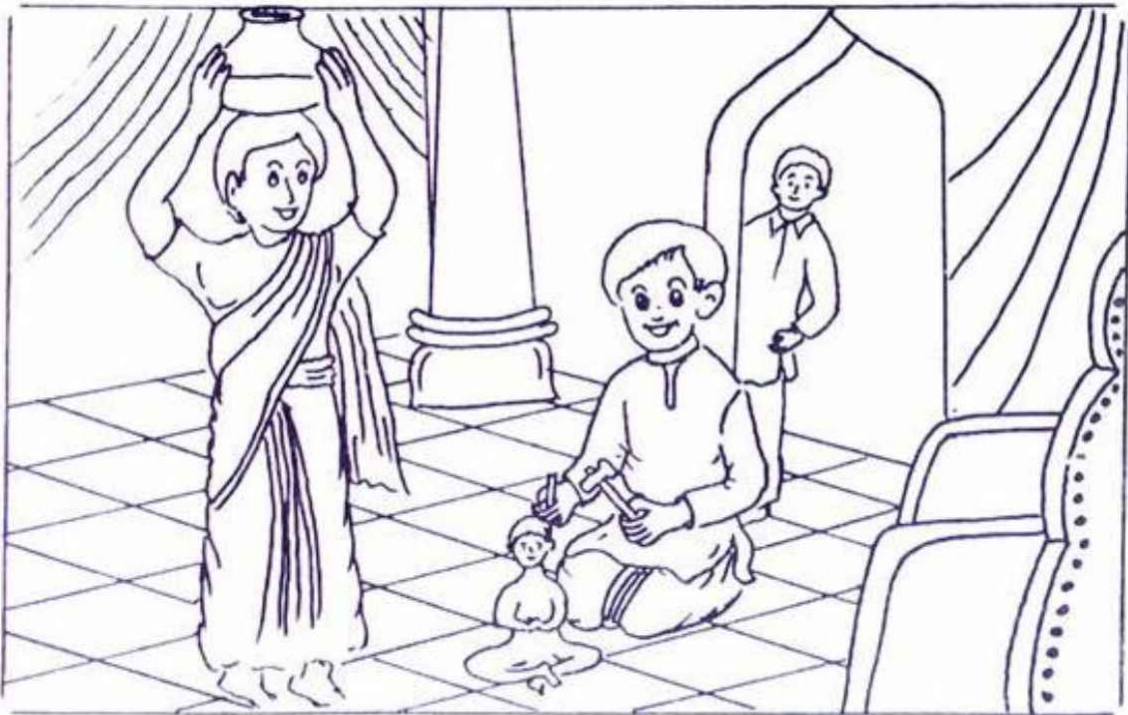
ایک مرتبہ ایک راجا نے اپنے سُنار سے پوچھا: تمہارے کاروبار میں روپے میں کتنے آنے تمہارے ہوتے ہیں؟ سُنار نے کہا: حضور! پورے سولہ

آنے میرے ہوتے ہیں۔ یہ سُن کر راجا خاموش ہو گیا۔ اُس نے خفیہ طور پر اُس کے کام کی نگرانی کے لیے اپنے ایک ماتحت کو لگا دیا۔ کچھ دن کے بعد راجا نے سُنار سے ایک سونے کی مورتی بنانے کا حُکم دیا: راجا نے بطورِ احتیاط سُنار سے کہا: یہ مورتی تم ہمارے محل میں آ کر بناؤ گے۔ چناں چہ راجا کے حُکم کے مطابق سُنار نے راجا کے محل میں مورتی بنانا شروع کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے گھر میں بھی سُونے کی مورتی کے ہم مثل ایک پیتل کی مورتی تیار کرنے لگا۔ جب دونوں مورتیاں تیار ہو گئیں تو اُس نے محل کے پہرے دار سے کہا: اَب اس مورتی کو اُجالنے یعنی چمکانے کے لیے صرف کھٹائی میں ڈالنا باقی رہ گیا ہے۔ اگر کل کوئی دہی فروخت کرنے والی عورت اِدھر سے گزرے تو اُس کو محل میں بُلا لینا تا کہ میں اُس کی دہی کی مٹکی میں اس مورتی کو ڈال کر نکال لوں۔ اِدھر سُنار نے اپنی بیوی سے کہا: کل تو دہی والی کے بھیس میں دہی بیچتی ہُوئی محل کے سامنے سے گزرنا۔

دوسرے روز اُس کی بیوی دہی کی مٹکی لے کر ''دہی لے لو، دہی لے لو'' کی آواز لگاتی ہُوئی محل کے سامنے سے گزری۔ حسبِ ہدایت پہرے دار نے

اُس کو محل کے اندر بُلا لیا۔ سُنار نے سُونے کی اصلی مؤرتی کو تو دہی کی مٹکی میں ڈال دیا اور گھر پر بنائی ہُوئی پیتل کی مؤرتی کو اُسی مٹکی میں سے نکال لیا۔ اس کے بعد اُسے اُجال کر راجا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ راجا نے مؤرتی کو بہت پسند کیا۔ اس کے بعد راجا نے سُنار سے پؤچھا: کہو! اس مؤرتی کے بنانے میں تم نے کیا کمایا ہے؟ سُنار نے جواب دیا: اَن داتا! وہی روپے میں سولہ آنے بلکہ کچھ اور زیادہ۔ راجا نے صرّافوں کو بُلا کر مؤرتی کو پرکھوایا تو معلوم ہُوا کہ پوری مؤرتی پیتل کی ہے۔ راجا سُنار کی بات کا قائل ہو گیا اور کہنے لگا: واقعی ''سُونا سُنار کا، اَبھرَن سنسار کا''۔

اس کہاوت کا کلیدی جملہ کئی طرح سے مشہور ہے جسے کہاوت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جیسے سُونا سُنار کا، بھوُشَن سنسار کا؛ شوبھا سَنسار کی، لکچھمی سُنار کی وغیرہ۔

✻

شیر کا ایک ہی بھلا

بہادر اور دلیر لڑکا ایک ہی کافی ہے۔ اچھوں کا ایک ہی بہت ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیر کا ایک ہی بچّہ ہوتا ہے باقی بچّے تیندو یا بگھیلے سے ہوتے ہیں مگر یہ امر مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اس کہاوت کے تعلّق سے ایک چھوٹی سی حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :
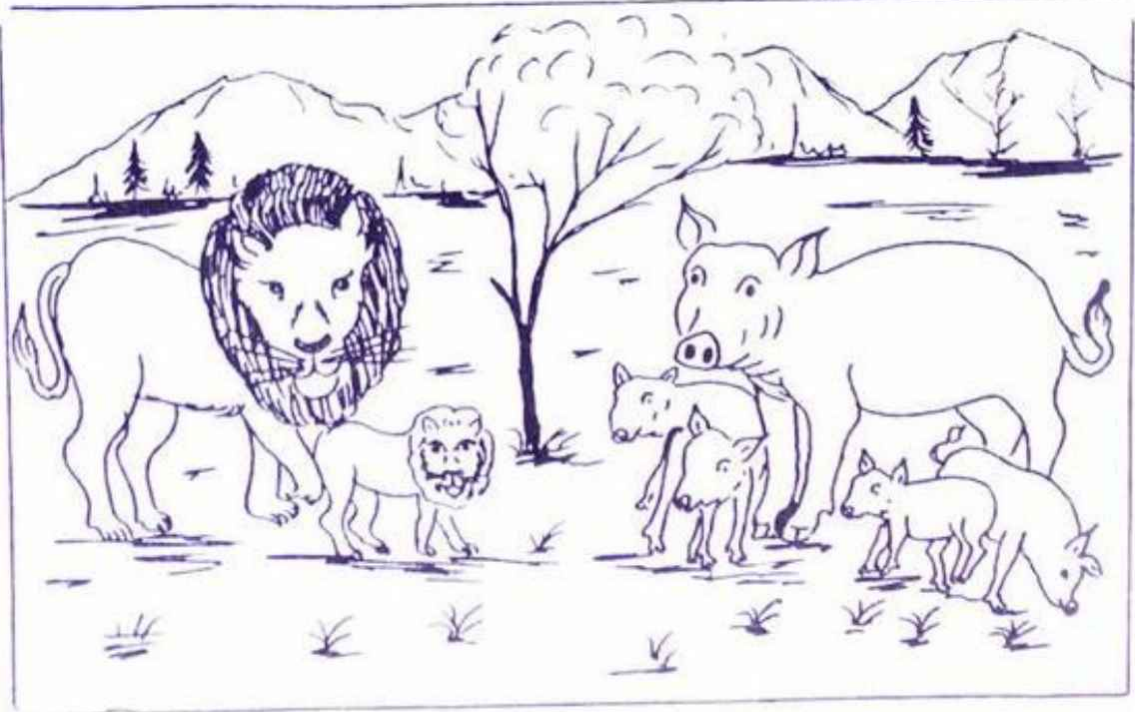
ایک مرتبہ جنگل کے درندوں میں یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ ہم میں سے ایسا کون سا جانور ہے جو ایک جھول میں سب سے زیادہ بچّے پیدا کرتا ہے؟

بہت سے جانوروں نے ایک ہی بار میں کئی کئی بچّے پیدا کرنے کی بات کہی۔ شیرنی اَب تک خاموش تھی۔ آخر میں جانوروں نے شیرنی سے پُوچھا: آپ ایک جھول میں کتنے بچّے دیتی ہیں؟ شیرنی نے ہَنس کر بڑی بے نیازی سے جواب دیا: مَیں تو ایک بار میں ایک ہی بچّہ پیدا کرتی ہوں۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ ''شیر کا ایک ہی بھلا''۔

عید پیچھے ٹَر

وقت گزرنے کے بعد خوشی کی بے موقع نقل کرنا۔ تیوہار نکل گیا تو خوشی کیسی؟ وقت گزرنے کے بعد بے موقع کسی کام کو انجام دینے کے محل پر کہتے ہیں۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب عید کے تیوہار کے بعد پنجاب میں منعقد ہونے والا ایک میلہ ہے :

ٹَر پنجاب کا ایک میلہ تھا جو عید کے دوسرے روز باغات میں جا کر منایا جاتا تھا۔ پہلی جنگِ آزادی کے ناکام ہو جانے کے بعد برطانوی افواج کے جو

سپاہی دہلی میں آئے، اُنہوں نے فتح کے بعد دہلی میں بھی اِس ٹَر کے مِیلے کو قائم کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ مِیلہ نہایت اہتمام اور بڑی دھوم دھام سے منایا جانے لگا۔ عید کے دوسرے روز شاہی زمانے سے یہ مِیلہ عیش باغ لکھنؤ میں بڑی شان وشوکت اور دھوم دھام سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس مِیلے میں خاص طَور سے افیونی، مَدَکیے، چَرَسیے وغیرہ اور اسی قِسم کے دوسرے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی اپنی ٹولیوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور داستانِ امیر حمزہ بیان کرتے ہیں۔ افیون، چَرَس، مدک وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں۔ اَب اس مِیلے کا پہلے جیسا زور نہیں رہا۔ دورِ حاضر میں ٹَر کا مِیلہ کان پور اور ہندوستان کے دیگر شہروں میں بھی منایا جاتا ہے۔ چوں کہ عید کے تیوہار کے دوسرے دن لوگ ٹَر کے مِیلے میں خوشیاں مناتے ہیں، اِسی لیے اس کا استعمال موقع اور محل نکل جانے کے بعد کام کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

اس کہاوت کا کلیدی جملہ کئی طرح سے مشہور ہے جسے کہاوت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جیسے عید بعد ٹَر؛ عید پیچھے ٹَر، برات پیچھے دَھونسا وغیرہ۔

※

کاٹھ کی مؤرتی اور چندن ہار

بَدشکل آدمی کا بناؤ سنگار کرنا۔ تعجّب اور بَد اقبالی کے اظہار کی طرف بھی اشارہ ہے۔ یہ کہاوت راجا بھوج اور کاٹھ کی مؤرتی کے ہار نگل جانے اور بعد میں اقبال کا زمانہ آنے پر اُگل دینے کی حکایت پر تلمیح ہے :

مشہور ہے کہ جب راجا بھُوج پر ساڑھ سَتی آئی تو وہ اپنا راج پاٹ چھوڑ کر اور فقیر بَن کر اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ ایک دن وہ گردش کا مارا کسی راجا کے محل کی دیوار کے سائے میں جا بیٹھا۔ رانی کا ایک قیمتی ہار جسے چندن ہار کہا

جاتا تھا، ایک کھونٹی پر ٹنگا ہوا تھا۔ جس کے قریب ایک مورتی بھی رکھی ہوئی تھی۔ اتفاق سے اُسی روز اُس مورتی نے اُس چندن ہار کو نگل لیا۔ تفتیش کرنے کے بعد لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ اسی اجنبی شخص بھُوج نے اُس ہار کی چوری کی ہے۔ سپاہیوں نے بھُوج کو راجا کے دربار میں پیش کیا۔ چور سمجھ کر بھُوج کو سزا دی گئی اور اُسے زخمی کر کے محل کے باہر ڈال دیا گیا۔ اتفاق سے اُسی وقت گنگا تیلی کا وہاں سے گزر ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ محل کے قریب ایک زخمی آدمی درد کے سبب کراہ رہا ہے۔ وہ تیلی بے اولاد تھا۔ اُس نے سوچا کہ اسی شخص کو اپنے گھر لے چلوں اور اولاد کی طرح اس کی پرورش کروں۔ چناں چہ وہ تیلی اُسے اپنے گھر لے آیا۔ چند روز کی مرہم پٹّی اور علاج کے بعد بھُوج صحت مند ہو گیا۔ تیلی نے اُسے اپنا کولھو چلانے پر مقرّر کر دیا۔

ایک رات بھوج کولھو چلاتے وقت دیپک راگ گا رہا تھا۔ جس کے اثر سے راجا کے محل کے تمام چراغ روشن ہو گئے۔ راجا کی بیٹی نے محل کے سبھی روشن چراغوں کو گُل کرا دیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ چراغ پھر روشن ہو گئے۔ راجا کی بیٹی بار بار چراغوں کو گُل کراتی رہی لیکن وہ ہر بار روشن ہو جاتے۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گنگوا تیلی کے گھر میں کوئی شخص دیپک راگ گا رہا ہے، جس کے اثر سے چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ راجا کی بیٹی گنگوا تیلی کے گھر میں رہنے والے بھوج کے فن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اُس کا دل اُس شخص کی طرف مائل ہونے لگا۔ صبح ہوتے ہی اُس نے راجا سے بضد ہو کر کہا کہ اُس کی شادی دیپک راگ گانے والے شخص کے ساتھ کر دی جائے۔ راجا نے مجبور ہو کر گنگا تیلی کے یہاں اپنی بیٹی کی شادی کا پیغام بھیجا۔ چند روز کے بعد بڑے دھوم دھام سے اُن دونوں کی شادی ہو گئی۔ اَب بھُوج راجا کے محل میں رہنے لگا۔ اَز سرِ نو اُس کو راج پاٹ نصیب ہوا۔ اُدھر اُس کاٹھ کی مؤرتی نے بھی نگلا ہوا چندن ہار اُگل دیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر کسی نے کہا: ''کاٹھ کی مؤرتی اور چندن ہار''۔ رفتہ رفتہ اس جملے نے کہاوت کا رُوپ اختیار کر لیا۔

اس کہانی کا ایک کلیدی جملہ بطورِ کہاوت اس طرح بھی مشہور ہے۔

''کہاں راجا بھُوج، کہاں گنگوا تیلی۔''

✻

کالی بھلی نہ سیت، دونوں مارو ایک ہی کھیت

موذی موذی سب برابر۔ جب دو بُرے اشخاص یا دو خراب چیزوں سے واسطہ پڑ جائے تو دونوں کو ترک کر دینا چاہیئے یا دونوں کو ایک ساتھ ختم کر دینا چاہیئے۔ مفسد اور جھگڑا کرنے والوں کے لیے اس کہاوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک قصہ ہے جو اس طرح مشہور ہے :
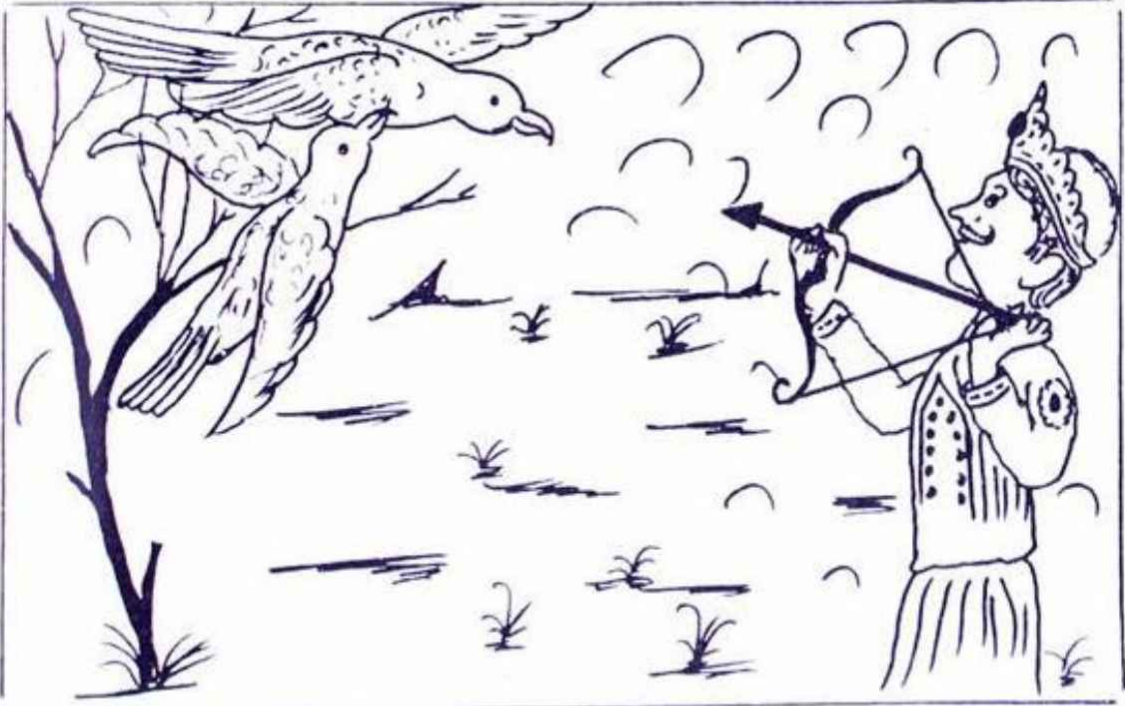
ایک راجا کی دو رانیاں تھیں۔ دونوں بد کار اور جادوگرنیاں تھیں۔ وہ

دونوں ایک دوسرے سے بغض وعناد رکھتی تھیں۔ ایک دوسرے کو مار ڈالنے کی غرض سے ایک رانی نے کالی چیل کا رُوپ اختیار کیا اور دوسری نے سفید چیل بن کر خود کو ظاہر کیا۔ چوں کہ دونوں ایک دوسرے کی جان کی دُشمن تھیں، رُوپ بدلتے ہی مارنے کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ پڑیں۔ وہ جس وقت آپس میں لڑ رہی تھیں کہ اُسی وقت اچانک راجا وہاں پہنچ گیا۔ راجا کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ یہ دونوں چیلیں میری رانیاں ہیں، جنھوں نے اپنا رُوپ بدل لیا ہے۔ راجا نے اپنے منتری کو بُلایا اور پوری بات بتا کر کہا: میری یہ دونوں رانیاں اس وقت میرے سامنے چیل کے رُوپ میں ہیں۔ اس وقت اِستری ہَتیا (स्त्री हत्या) کا پاپ یعنی عورت کو قتل کرنے کا گُناہ نہیں لگے گا۔ اَب تم بتاؤ کہ مَیں کِسے قتل کروں؟ مَنتری نے فوراً کہا: ''کالی بھلی نہ سیت، دونوں مارو ایک ہی کھیت'' یعنی کالی اچھّی ہے اور نہ سفید، دونوں کو ایک ساتھ قتل کر دینے ہی میں عافیت ہے۔ مَنتری کی صلاح پر راجا نے دونوں کو ایک ساتھ قتل کر دیا۔

٭

کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

کسی بات کا تمہیں خیال ہُوا اور کسی بات کا ہمیں۔ ہمارا اور تمہارا سوچنا ایک جیسا ہی ہے۔ ہم تمہارے دل کی بات کو سمجھ گئے اور تم ہمارے دل کی بات کو سمجھ گئے۔ جب دو افراد ایک دوسرے کی نیت یا معاملہ کو بھانپ لیں تو اس کہاوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کہاوت کی مناسبت سے ایک کہانی اس طرح بیان کی جاتی ہے :

ایک مسافر اپنے سَر پر ایک گٹھری رکھے ہُوئے پیدل سفر کر رہا تھا۔

گٹھری میں روپے اور زیورات تھے۔ گٹھری بھاری تھی۔ وہ چلتے چلتے تھک گیا تھا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے لیے وہ ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے ایک آدمی گزرا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ مسافر نے سوار سے پوچھا: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ سوار نے کہا: مَیں پاس کے گاؤں جا رہا ہوں۔ مسافر نے پھر کہا: مجھے بھی اُسی گاؤں جانا ہے۔ بہت دُور سے آ رہا ہوں۔ دھوپ تیز ہے، بہت تھک گیا ہوں۔ اگر آپ میری یہ گٹھری اُس گاؤں تک لیتے چلیں تو بہت احسان ہوگا۔ مَیں وہاں پہنچ کر آپ سے اپنی گٹھری لے لوں گا۔ سوار نے پوچھا: اس گٹھری میں کیا ہے؟ مسافر نے جواب دیا: اس میں کچھ روپے اور زیور ہیں۔ سوار نے کہا: روپے پیسے کا معاملہ ہے، مَیں اس مصیبت میں نہیں پڑنا چاہتا اگر کوئی بات ہوگئی تو مجھ پر الزام آئے گا۔ یہ کہہ کر سوار آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دُور جانے کے بعد گھوڑے پر سوار شخص کی نیت بدل گئی۔ اُس نے سوچا: گٹھری کو لے کر گھوڑے کو کیوں نہ بھگا دیا؟ مُفت میں مالدار ہو جاتے۔ دولت خود چل کر میرے پاس آ گئی تھی لیکن مَیں نے اُسے ٹھکرا دیا۔ اِدھر اُس مسافر نے سوچا: اگر وہ سوار میری گٹھری کو لے کر بھاگ جاتا تو مَیں

برباد ہو گیا ہوتا۔ اچھا ہوا، جو اُس نے انکار کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد سوار اُسی جگہ واپس آ گیا اور مسافر سے کہنے لگا: تھوڑی دُور جانے کے بعد مجھے تم پر ترس آ گیا۔ تم بہت تھک گئے ہو۔ لاؤ تمہاری گٹھری کہاں ہے؟ مَیں اسے اُس گاؤں تک پہنچا دوں گا۔ مسافر نے جواب دیا: ''کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے''۔ وہ وقت گیا، وہ بات گئی۔ اَب گٹھری تمہیں نہیں ملے گی۔

کرگھا چھوڑ تماشا جائے، ناحق چوٹ جُلاہا کھائے

جو شخص اپنا کام چھوڑ کر فضول کاموں کو ترجیح دیتا ہے وہ نقصان اُٹھاتا ہے۔ یہ کہاوت ایسے موقع پر بولتے ہیں جب کوئی شخص دوسروں کی ریس کر کے بے فائدہ اپنا نقصان کرے یا تکلیف اُٹھائے۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک حکایت ہے جو معمولی فرق کے ساتھ کئی طرح سے بیان کی جاتی ہے :
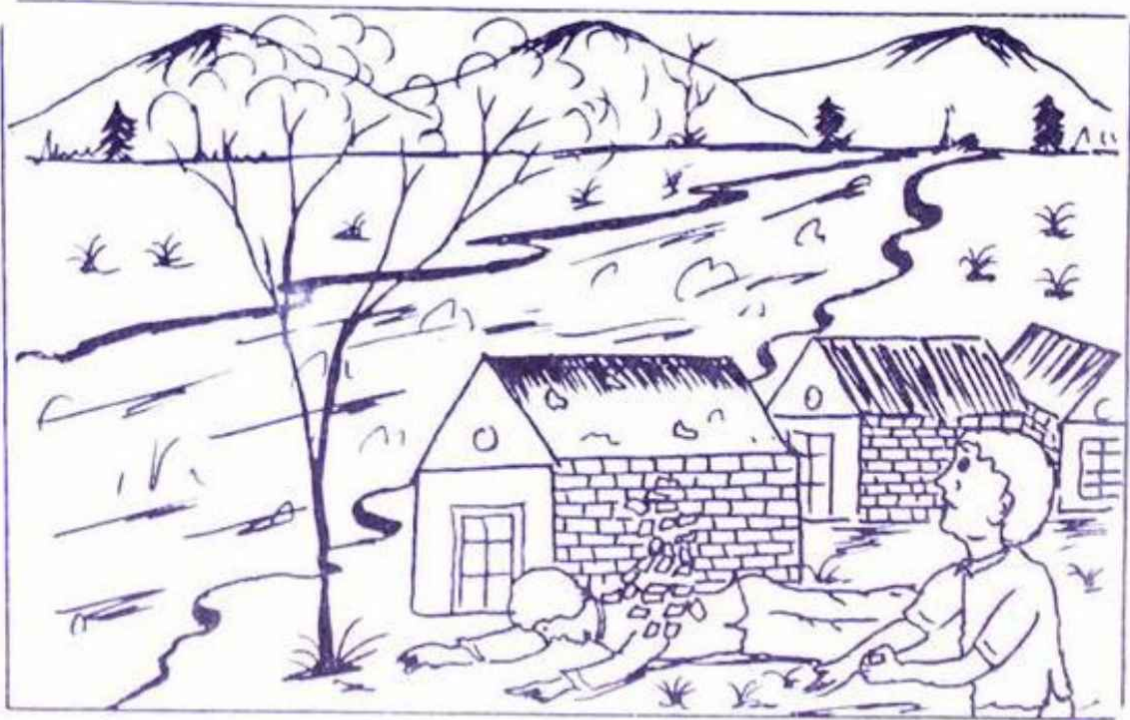
کسی ندی کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ برسات کے موسم

میں مسلسل بارش ہونے کی وجہ سے ندی میں باڑھ آگئی تھی۔ گاؤں کے لوگ باڑھ کا منظر دیکھنے کے لیے جا رہے تھے۔

کسی جُلاہے کے ایک دوست نے اُس سے کہا: چلو! ہم لوگ بھی سیلاب کا منظر دیکھنے چلیں۔ جُلاہا جانا نہیں چاہتا تھا مگر دوست کے بار بار اصرار کرنے پر وہ اپنا کام چھوڑ کر اُس کے ساتھ چل دیا۔

جس راستے سے وہ لوگ جا رہے تھے اُس راستے کے کنارے ایک پُرانا مکان تھا جو بارش ہونے کے سبب مزید خستہ ہو گیا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں اُس مکان کے نزدیک پہنچے کہ اچانک اُس کی دیوار راستے کی طرف گر گئی۔ دوست تو بچ گیا مگر جُلاہا اُس میں دَب گیا۔ بہ مشکل تمام بے ہوشی کی حالت میں اُسے نکالا گیا۔ جسم پر کئی جگہ گہری چوٹیں بھی آئیں۔ یہ منظر دیکھ کر ایک واقف کار نے کہا: ''کرگھا چھوڑ تماشا جائے، ناحق چوٹ جُلاہا کھائے''۔

بعض لوگ اس حکایت میں سیلاب کی جگہ تماشے کا ذکر کرتے ہیں یعنی جُلاہے کا دوست جُلاہے کو ایک تماشا دکھانے کے لیے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا کہ راستے میں ایک بوسیدہ مکان کی دیوار اُس پر گر پڑی۔

اس کہاوت کا کلیدی جملہ کئی طرح سے مشہور ہے جسے کہاوت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جیسے کرگھا چھوڑ تماشا جائے، ناحق مار جُلاہا کھائے؛ کرگھا چھوڑ جُلاہا جائے، ناحق چوٹ بچارہ کھائے؛ ناحق چوٹ جُلاہا کھائے، کرگھا چھوڑ تماشے جائے وغیرہ۔

کرم کی ڈھولکی باجی

قسمت بگڑنے پر چھپے راز بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہ کہاوت اُس وقت کہی جاتی ہے جب کسی خوش نصیب شخص کے دن بُرے آنے پر وہ بُرائیاں بھی ظاہر ہو جائیں جو اَب تک پوشیدہ تھیں۔ اس کہاوت کے تعلّق سے ایک لوک کہانی اس طرح بیان کی جاتی ہے :

ایک بار ایک چور چوری کی نیت سے موقع پا کر کسی ڈھولک بیچنے والے کے مکان میں رات کے وقت گھُس گیا۔ بہت دیر تک ڈھونڈنے پر جب اُسے

مال و دولت نہ ملی تو اُس نے ایک ڈھولکی چُرا لی۔ وہ جیوں ہی اُسے لے کر بھاگا کہ مالک کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس نے چور کا پیچھا کیا۔ چور ڈر کے مارے ڈھولکی کے ساتھ کپاس کے ایک کھیت میں گھُس گیا اور چھپ کر اُس میں بیٹھ گیا۔ پیچھا کرتے کرتے مالک بھی اُس کھیت تک آ گیا۔ کھیت کی مینڈ پر کھڑا ہو کر وہ غور کرنے لگا کہ چور کس طرف گیا ہوگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اچانک تیز ہَوا چلی۔ کپاس کے پیڑ زور زور سے ہلنے لگے اور کپاس کے پھَلوں کے لگنے سے ڈھولکی بجنے لگی۔ ڈھولکی کی آواز سُن کر مالک سمجھ گیا کہ چور اسی کھیت میں چھپا ہے۔ اُس نے کھیت میں گھُس کر چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور یہ کہتا ہوا اُس کو باہر لایا: کیا خوب! ''کرم کی ڈھولکی باجی''۔

کھیل بتاشوں کا مِینہ

بے سَر پَیر کی بات۔ ناممکن واقعہ۔ یہ کہاوت اُس جگہ بولی جاتی ہے جب کوئی شخص غیر معیّن زمانہ بتائے یا کسی ایسے واقعہ کا ذکر کرے جو ممکن ہی نہ ہو۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک لوک کہانی ہے جو اس طرح بیان کی جاتی ہے :
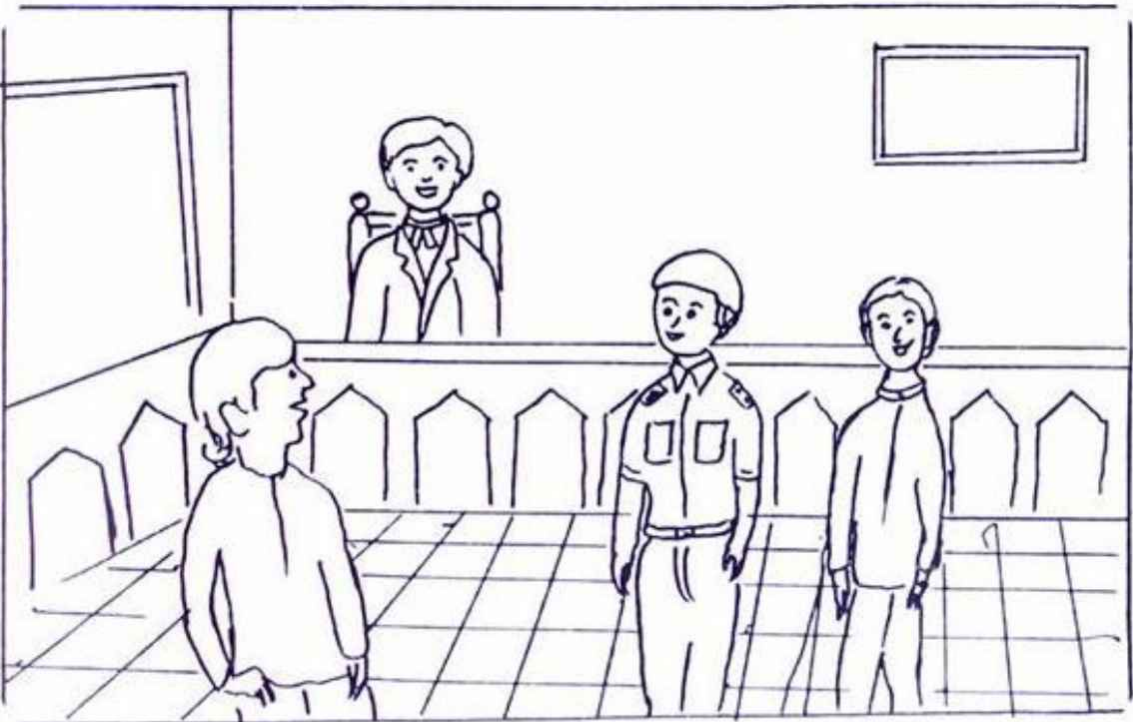
کسی گاؤں میں ایک شیخ چلّی رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے کسی مالدار کے یہاں چوری کی۔ اُس نے چوری کے مال کو اپنے گھر میں رکھ لیا۔ اُس کی

ماں کو یہ اندیشہ ہوا کہ وہ اپنی حماقت کی وجہ سے چوری کا مال چھپا نہیں سکے گا۔ لہٰذا اُس نے مال کو تو کہیں چھپا دیا اور کھیل بتاشے اس طرح دُور تک بکھیر دیے کہ شیخ چلّی نے سمجھا کہ یہ آسمان سے گرے ہیں۔ چوری کے مال کی تحقیق ہونے پر شیخ چلّی پکڑا گیا۔ اُس نے چوری کرنے کا اقبال بھی کرلیا لیکن چوری کرنے کا دن اس طرح بتایا کہ جس روز ''کھیل بتاشوں کا مِینہ'' ہو رہا تھا مَیں نے اُسی روز چوری کی تھی۔ منصف نے اُس کی اس ناقابلِ یقین بات پر یقین نہ کرتے ہوئے چوری کے الزام سے بری کر دیا۔

گُرو کہیں سُو کیجئے، جو کریں سُو کریئے ناہیں

اَندھی تقلید پریشانی کا باعث ہوتی ہے۔ بغیر سُوچ سمجھے کسی کی پیروی نہ کرنا چاہیئے۔ اُستاد یا مُرشد جس کام کو کرنے کے لیے کہیں اُس کام کو تو کرنا چاہیئے مگر جس کام کو وہ خود کریں اور اپنے شاگردوں سے کرنے کے لیے حُکم نہ دیں اُسے قطعی نہ کرنا چاہیئے۔ جب کوئی شاگرد بے سوچ سمجھے اپنے اُستاد کی نقل کرتا ہے تو اُسے نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ اس کہاوت کے تعلّق سے ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کوئی شاگرد اپنے اُستاد کی نقل کیا کرتا تھا یعنی جو کام اُستاد کرتے تھے، وہی کام شاگرد کرتا تھا۔ اُستاد اپنے شاگرد کی اس حرکت سے خوش نہیں تھے۔ سبق سکھانے کی غرض سے ایک مرتبہ وہ اپنے شاگرد کو لے کر بازار گئے۔ ایک میخانے میں جا کر اُنہوں نے شراب پی۔ شاگرد نے جب اُستاد کو شراب پیتے دیکھا تو خود بھی شراب پینے لگا۔ شراب پینے کے بعد جب وہ آگے بڑھے تو کسی حلوائی کی دُکان میں ایک بڑی کڑھائی میں تیل کھول رہا تھا۔ اُس تیل کی کڑھائی میں اُستاد کوُد پڑے۔ شاگرد چُپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس کی ہمّت جواب دے گئی۔ اُستاد نے شاگرد کی طرف دیکھ کر کہا: اَب توُ میری تقلید کیوں نہیں کرتا؟ شاگرد نے ہاتھ جوڑ کر کہا: ہمّت نہیں پڑتی۔ اس پر اُستاد نے کہا: ''گرو کہیں سُو کیجیے، جو کریں سُو کریئے ناہیں''۔

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے

راز دار کی دشمنی بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ اکثر راز جاننے والا ہی گھر کی تباہی اور بربادی کا باعث ہوا کرتا ہے۔ یہ کہاوت اُس محل پر بولتے ہیں جب کوئی راز دار فساد برپا کرے۔ یہ کہاوت اُس وقت بھی بولی جاتی ہے جب گھر والوں ہی میں پھوٹ پڑ جائے اور احتیاط برتنے کے باوجود فساد برپا ہو جائے اور دشمن کو اس نفاق سے فائدہ پہنچے۔ اس کہاوت میں رام چندر جی اور لَنکا کے راجا راوَن (रावण) کے بھائی وِبھیشَن (विभीषण) کے قصہ کی طرف

تلمیح ہے :

جب راجارام چندر جی اپنے بھائی لچھمن (लक्ष्मण) اوراپنی بیوی سیتا
کے ساتھ جنگل میں بَن باس کی مدّت گزار رہے تھے۔ اُسی وقت لَنکا کا راجا
راوَن سیتا جی کو اکیلا پا کر اُٹھا لے گیا۔ جب رام چندر جی کو معلوم ہوا تو اُنہوں
نے بندروں کی فوج کی مدد سے لَنکا پر چڑھائی کر دی تا کہ سیتا جی کو راوَن کی
قید سے آزاد کرا سکیں۔ زمانۂ جنگ میں راوَن کے بھائی وِبھیشَن سے رام چندر
جی کو بہت مدد ملی۔ وِبھیشَن کو یہ وردان ملا تھا کہ اُس سے کوئی غلط کام سَر زَد نہ
ہو گا۔ وہ ہمیشہ ایمان دار اور راچھشوں (राक्षसों) کا مخالف رہا تھا۔ یہی سبب تھا
کہ اُس سے اور راوَن سے ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا۔ راوَن نے اپنی طاقت کے زور
سے وِبھیشَن کو حکومت کی تمام مراعات سے محروم کر دیا تھا۔ وِبھیشَن اُڑ کر کیلاش
پہاڑ پر گیا اور شیوؔ جی کی ہدایت پر واپس آ کر اُس نے رام چندر جی کا ساتھ دیا۔
اُس نے رام چندر جی کو لنکا کے وہ تمام راز بتائے جن کے بغیر لَنکا کو فتح کرنا
دشوار تھا۔ جنگ کے دوران اس نے رام چندر جی کو بتایا کہ راوَن کی ناف میں
امرت ہے۔ اس لیے اس کی مَوت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کی ناف میں

تیر مارا جائے۔ راوَن کی شکست اور مَوت کے بعد لَنکا کی حکومت رام چندر جی نے وِبھیشَن کے حوالے کر دی تھی۔ اُسی وقت سے یہ کہاوت رفتہ رفتہ مشہور ہوئی کہ ''گھر کا بھیدی لَنکا ڈھائے''۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کہاوت کا تعلّق ہنومان (हनुमान) سے ہے جو راوَن کا بھانجا اور رام چندر جی کی فَوج کا سپہ سالار تھا۔ اُس نے رام چندر جی کو لَنکا کے اُن بہت سے پوشیدہ راز سے واقفیت کروائی تھی جن کے بغیر لَنکا کو فتح کرنا ناممکن تھا۔ وہ اس کے علاوہ رام چندر جی کی خبریں سیتا جی کو اور سیتا جی کی خبریں رام چندر جی کو پہنچانے کا کام کرتا تھا۔

مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہوتا ہے

محافظ دُشمن سے قوی ہوتا ہے۔ خدا محافظ ہو تو کوئی دُشمن بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ اگر دُشمن طاقتور ہے تو نگہبان اُس سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ یہ کہاوت اُس موقع پر کہتے ہیں جب کسی کا دُشمن اُسے مٹانے، بُرائی کرنے یا ہلاک کرنے کی پوری کوشش کرے اور خدا کی مہربانی سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔ یہ کہاوت راج کُمار سِدّھارتھ (सिद्धार्थ) کے ایک مشہور واقعہ کی تلمیح ہے جو اس طرح بیان کیا جاتا ہے :
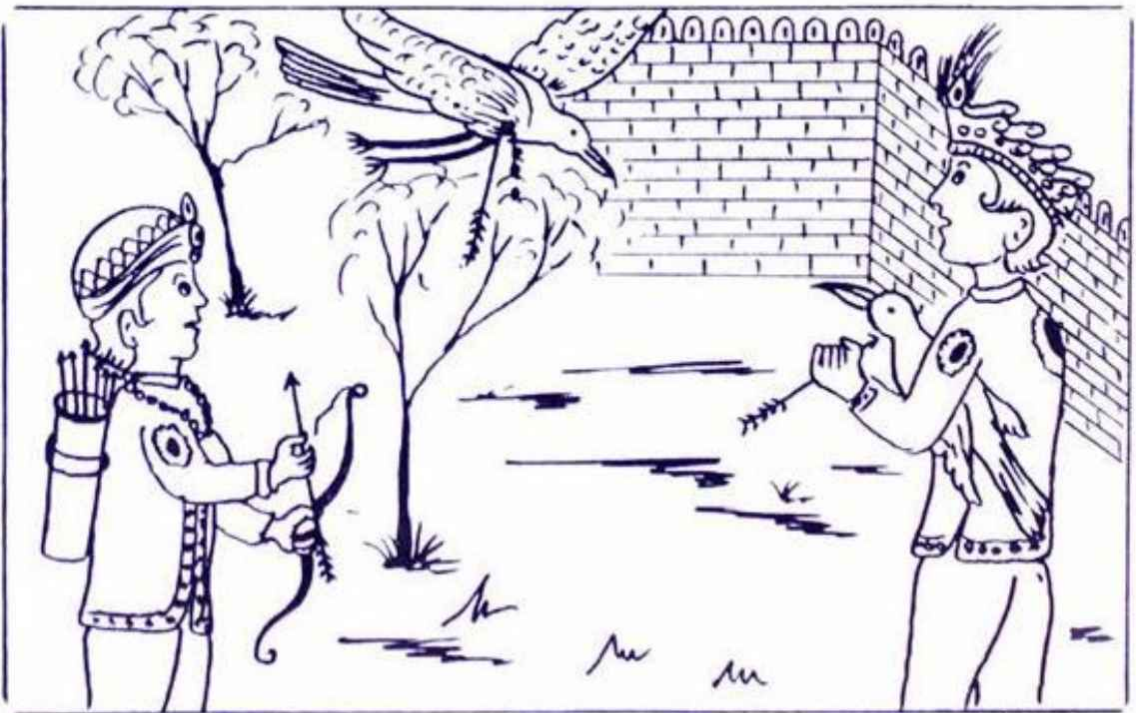
راج کُمار سِدّھارتھ کپل وَستو(कपिलवस्तु) کے سلطان سُدھودھَن کے پسر تھے۔ایک مرتبہ وہ موسمِ بہار میں شاہی باغ کی سیر کررہے تھے۔ کچھ ہَنس آسمان کی کھُلی فضا میں پرواز کررہے تھے۔ دوسری طرف سِدّھارتھ کا چچیرا بھائی دیودَت تیر کمان لیے ہوئے شکار کی تلاش میں گھوم رہا تھا۔اُس نے اُڑتے ہوئے ایک ہَنس پر تیر چلادیا۔ہَنس زخمی ہوکر سِدّھارتھ کے قریب زمین پر گر پڑا۔سِدّھارتھ نے ترس کھاکراُس زخمی ہَنس کی مرہم پٹّی کرکےاُس کی جان بچائی۔دیودَت نے اپنادعویٰ پیش کرتے ہوئے کہا: یہ ہَنس میرا ہے۔مَیں نے اِسے شکار کیا ہے۔اس ہَنس کو میرے سپرد کردیجئے۔ سِدّھارتھ نے اُس بات سے انکار کرتے ہوئے کہا: یہ ہَنس میرا ہے۔مَیں نے اس کی مرہم پٹّی کی ہے۔مَیں تمھیں نہیں دے سکتا۔آخر کار مقدّمہ شاہی دربار میں پیش کیا گیا۔بادشاہ نے دونوں کے دلائل سُننے کے بعد فیصلہ صادر فرمایا کہ ''مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہوتا ہے''۔اس لیے یہ ہَنس سِدّھارتھ کے حوالے کردیا جائے۔

*

مُلّا کی دوڑ مسجد تک

ہر شخص کی کوشش اُس کے حوصلے اور مقدور تک ہوتی ہے۔ جہاں تک آدمی کی دسترس ہوتی ہے وہ وہیں تک ہی جا سکتا ہے۔ ہر شخص کی رسائی وہاں تک ہوتی ہے جہاں سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک حکایت ہے جو اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کسی گاؤں میں ایک مُلّا جی رہتے تھے۔ وہ اکثر اپنی بیوی اور اپنے گھر والوں سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ لڑائی کے دوران اُن کا ایک ہی تکیہ کلام

ہوتا کہ اگر تم لوگوں نے مجھے زیادہ تنگ کیا تو مَیں پردیس چلا جاؤں گا اور تم لوگوں کو کبھی اپنا مُنہ نہ دکھاؤں گا۔ ایک دن اپنی بیوی سے لڑتے ہوئے اُنہوں نے یہی جملہ دُہرایا۔ بیوی نے ناک بھَوں سکوڑ کر کہا: روز روز کہتے ہو کہ پردیس چلا جاؤں گا، پردیس چلا جاؤں گا تو چلے کیوں نہیں جاتے؟ مُلاّ جی کے دل کو اپنی بیوی کی یہ بات لگ گئی۔ اُنہوں نے کہا: مَیں طعنے سُننے کا عادی نہیں ہوں۔ لو مَیں جاتا ہوں۔ اَب تم اکیلے عیش کرنا۔ یہ کہہ کر مُلاّ جی طیش میں گھر سے روانہ ہو کر نزدیک کی ایک مسجد میں جا بیٹھے۔ بیوی کو جب پتہ چلا کہ مُلاّ جی پردیس کے بجائے محلّے کی مسجد میں جا بیٹھے ہیں تو وہ وہاں پہنچ گئی اور اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگی: واہ! میرے پردیس کے جانے والے، کیا ہوا؟ بَس ''مُلاّ کی دوڑ مسجد تک''۔

اس کہاوت کا کلیدی جملہ کئی طرح سے مشہور ہے جسے کہاوت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جیسے قاضی کی دوڑ مسجد تک؛ مُلاّ کی دوڑ میت تک وغیرہ۔

☼

مَن چنگا تو کٹھوتی میں گنگا

اگر دل درست اور اعتقاد پکّا ہے تو ہر جگہ خدا ہے۔ اگر مَن پاک وصاف ہے تو ہر چیز پاک وصاف ہے۔ اگر کوئی صاف باطن شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے مگر مُفلسی کے سبب مقدّس مقامات کی زیارت کرنے سے قاصر ہے یا کوئی ایسا نیک کام نہیں کرسکتا جس میں دولت کا خرچ کرنا ضروری ہو تو کہتے ہیں۔ اس کہاوت کے وجود میں آنے کا سبب ایک حکایت ہے جو معمولی فرق کے ساتھ کئی طرح سے مشہور ہے۔ پہلی حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :
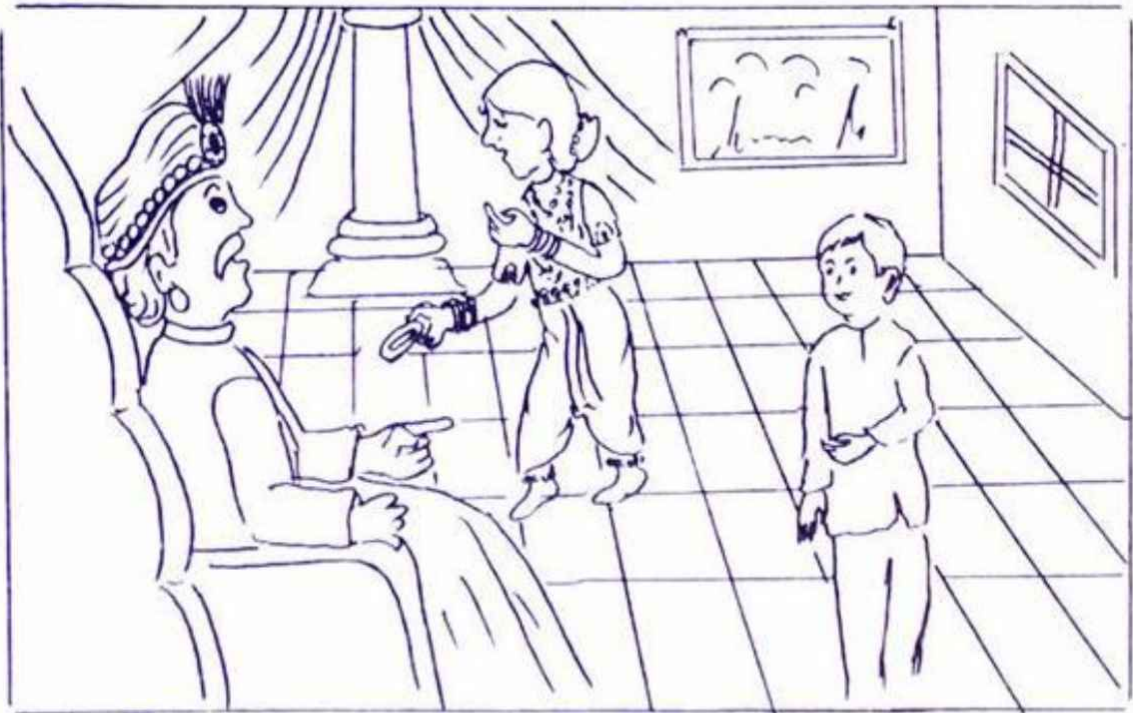
ایک برہمن گنگا اسنان کے لیے جا رہا تھا۔ راستے میں اُس کا جوتا

پھٹ گیا وہ رَیداس نامی چمار کے پاس گیا اور اُس سے کہنے لگا کہ میرے اس جُوتے کو جلدی سے گانٹھ دو۔ مجھے نہان کے لیے گنگا جی جانا ہے۔ رَیداس نے اُس سے کہا: مَیں تجھے کچھ کوڑیاں دوں گا۔ تو اُنھیں گنگا کو اُس وقت دے دینا جب وہ اپنے ہاتھ پسار کر خود کو ظاہر کرے۔ اگر تجھے یہ شرط منظور ہے تو مَیں سب سے پہلے تیرا جُوتا گانٹھ دوں گا۔ برہمَن نے یہ شرط منظور کر لی۔ رَیداس نے اُس کے جُوتے کو گانٹھ کر اُس کے حوالے کر دیا۔ برہمَن نے گنگا میں پہنچ کر جیوں ہی پانی میں غوطہ لگایا تو رَیداس کی شرط اُسے یاد آ گئی۔ اُس نے اپنی تھَیلی سے وہ کوڑیاں نکالیں جو رَیداس نے گنگا جی کو دینے کے لیے اُس کے حوالے کی تھیں۔ برہمَن نے جیسے ہی کوڑیوں کو گنگا کے پانی میں ڈالنا چاہا کہ پانی کے اندر سے ایک نسوانی ہاتھ نکلا۔ اُس ہاتھ نے فوراً اُن کوڑیوں کو لے لیا اور اپنی طرف سے رَیداس کے لیے ایک جڑاؤ بیش قیمت کنگن دے دیا۔

گنگا میں اشنان کرنے کے بعد جب وہ برہمَن کنگن لے کر رَیداس کے پاس آیا تو اُس کی خبر کسی طرح وہاں کے راجا کو ہو گئی۔ راجا نے وہ کنگن رَیداس سے طلب کر کے اپنی رانی کو دے دیا۔ رانی نے راجا سے کہا: جب تک اس کے ساتھ کا دوسرا کنگن نہ ہو، یہ میرے کسی کام کا نہیں۔ پھر کیا تھا؟ راجا کے حُکم سے رَیداس پر مار پڑی اور اُس سے کہا گیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو دوسرا کنگن بھی بہم پہنچا۔ رَیداس نے یہ فقرہ کہہ کر کہ ''مَن چنگا تو کٹھوتی میں گنگا''

جیسے ہی پانی سے بھری کٹھوتی میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو اُس کے ہاتھ میں اُسی جڑاؤ بیش قیمت کنگن کی جوڑی تھی۔ یہ دیکھ کر راجا رَیداس کا معتقد ہو گیا اور رَیداس نے بھی شہرت حاصل کی۔

سَنت رَوی داس کے معتقد اس کہاوت کے تعلق سے یہ حکایت بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت گنگا میں نہانے کے لیے گئی۔ اُس نے جیسے ہی گَنگا میں غوطہ لگایا کہ اُس کے ہاتھ کا طلائی کَنگن گَنگا کے پانی میں گر کر ڈوب گیا۔ وہ پریشان حال سَنت رَوی داس کے پاس آئی اور اپنی پریشانی کو رو رو کر اُن کے سامنے بیان کرنے لگی۔ سَنت رَوی داس نے اُس عورت سے کہا: بیٹی! پریشان نہ ہو اور پانی سے بھَری اپنی کٹھَوتی میں ہاتھ ڈال کر اُس طلائی کَنگن کو نکال کر عورت کے حوالے کر دیا اور اُس سے کہا: ''مَن چنگا تو کٹھَوتی میں گَنگا'' یعنی اعتقاد درست ہے تو ہر جگہ خدا ہے۔

موئی بَچھیا بامہَن کو دان

ناقص، نکمّی اور بے کار چیز خدا کے نام۔ یہ کہاوت اُس وقت کہی جاتی ہے جب کوئی شخص بے سُود یا بے کار چیز کو یعنی جو اُس کے کام کی نہ ہو دوسرے کو دے کر احسان جتائے۔ اس کہاوت کے تعلّق سے ایک چھوٹی سی حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :
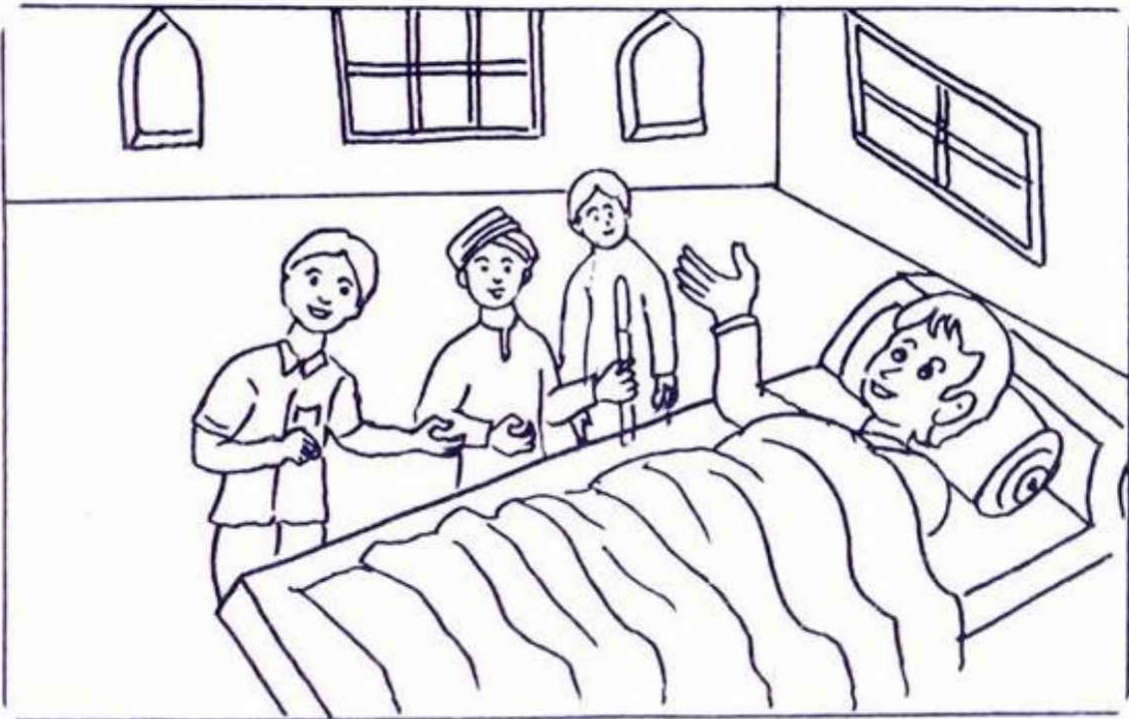
ایک بوڑھے اور بخیل شخص نے اپنے مَرنے سے چند روز قبل اپنا مال ومتاع اپنے بچّوں میں تقسیم کر دیا۔ اُس شخص کی گائے کی بَچھیا کئی روز پہلے گُم ہو

گئی تھی۔ اُس نے اپنے بچّوں کو بُلا کر کہا: اگر میری گُم شُدہ بَچھیا مِل جائے تو اُسے تم لوگ لے لینا۔ اگر وہ تمام تلاش کے بعد بھی نہ مِل سکے تو اُسے خدا کے نام پر خیرات کر دینا یا کسی برہمَن کو دے دینا۔ اس طرح ہم لوگوں کو ثواب بھی مِل جائے گا اور بَچھیا کے گُم ہو جانے کا بہت زیادہ افسوس بھی نہ ہوگا۔ اُس کی یہ وصیت سُن کر کسی نے برجستہ کہا: ''موئی بَچھیا بامہَن کو دان''۔

اس کہاوت کے مفہوم سے متعلّق کلیدی جملے کئی طرح سے مشہور ہیں جنہیں کہاوت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جیسے کانی گائے بامہَن کے دان ؛ مرتی بچھیا بامہَن کو دان ؛ مَرل بَچھیا بامہَن کو دان ؛ مَری بَچھیا پانڈے کے ناؤں ؛ مَری بھیڑ خواجہ خضر کی نیاز ؛ موئی بھیڑ خواجہ خضر کی نیاز ؛ موئی بَچھیا بامہَن کے نام وغیرہ۔

❋

نِنّیانوے کے پھیر میں پڑ گئے

رات دن دولت جمع کرنے کی فکر میں ہیں۔ جب کوئی شخص آرام و آسایش کو ترک کر کے ہر وقت دولت اکھٹا کرنے کی فکر کرے یا دولت جمع کرنے ہی میں لگا رہے تو اس کہاوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کہاوت کا تعلّق کئی لوک کہانیوں سے ہے جو مقامی طور پر معمولی فرق کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں، جن میں سے ایک کہاوت اس طرح مشہور ہے :
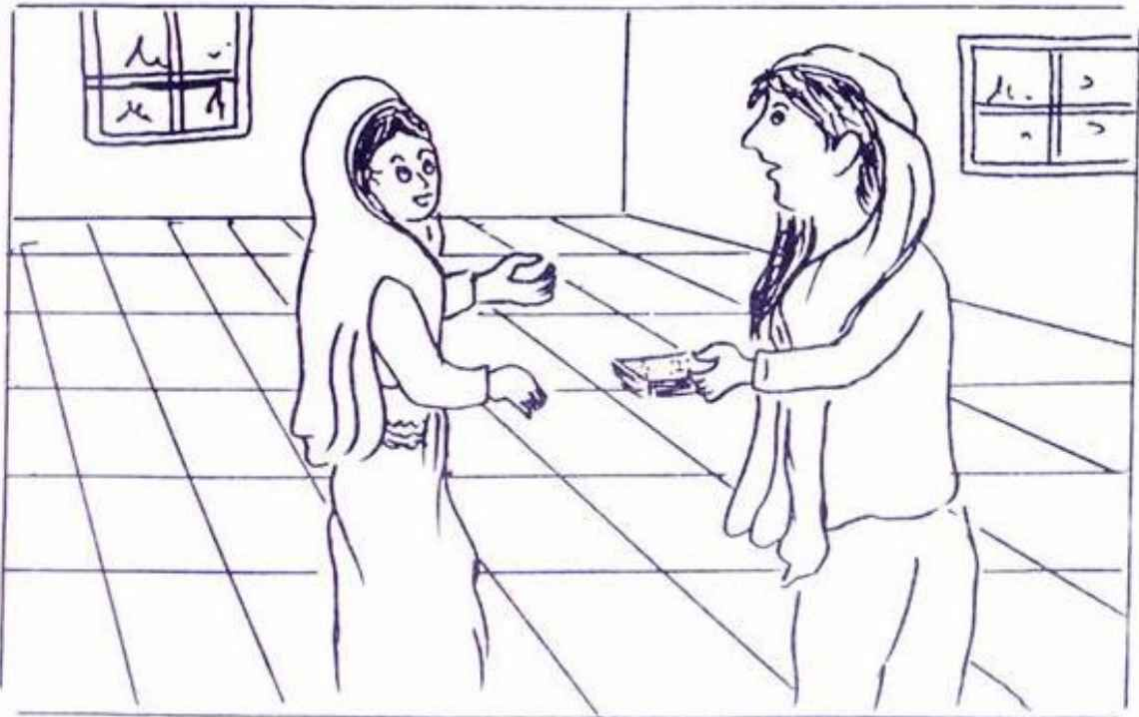
دو حقیقی بہنوں کی ایک ہی شہر میں شادی ہو گئی۔ ایک بہن کا بیاہ مالدار

اور کھاتے پیتے گھرانے میں ہوا جب کہ دوسری بہن کی شادی ایک غریب خاندان میں ہوئی۔ جب مالی مشکلات کا سامنا کرتے کرتے غریب بہن پریشان ہوگئی اور گھر چلانا مشکل ہوگیا تو اُسے اپنی مالدار بہن کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑا۔

مالدار بہن جانتی تھی کہ میری بہن غریب ہوتے ہوئے بھی اپنے خاندان کے ساتھ مطمئن ہے اور ہنسی خوشی زندگی گزار رہی ہے۔ مَیں مالدار ہوتے ہوئے بھی سکون واطمینان سے زندگی نہیں گزار سکتی۔ رات دن کوئی نہ کوئی فکر لگی رہتی ہے۔ یہ سوچ کر اُس نے دو چار روپے کے بجائے ننیانوے روپے اپنی بہن کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ بہن اتنے روپے دیکھ کر حیرت زدہ ہوگئی اور خوشی خوشی اپنے گھر آ کر جلدی جلدی روپے گننے لگی۔

گھر آ کر جب اُس نے روپے گنے تو پتہ چلا کہ ننیانوے روپے ہیں۔ جس کام کے لیے اپنی بہن سے روپے لے کر آئی تھی اَب وہ اُس کام کو بھول گئی اور سوچنے لگی کہ کسی طرح یہ پورے سو روپے ہو جائیں۔

اُس نے اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ کاٹ کاٹ کر کسی طرح ایک

روپیہ بچایا اور پورے سَو روپے کر لیے۔ اس کے بعد اُسے سَوا سَو روپے کرنے کی فکر ہوئی۔ جب سَوا سَو روپے ہو گئے تو ڈیڑھ سَو، دو سَو، تین سَو تک بڑھتی چلی گئی۔ اس طرح اُس کی یہ ہوَس کبھی کم نہ ہوئی۔ دولت جمع کرنے کے پھیر میں وہ اپنا اور اپنے خاندان کا سُکھ چین بھی گنوا بیٹھی۔

یہ راستہ بُرا نکلا

غلط روایت پڑ گئی۔ یہ بات ہمیشہ کے لیے ہو گئی۔ نمونہ میسّر ہو گیا۔ جب کسی شخص کو کوئی چیز دی جائے اور اُس کو ملتی دیکھ کر ہر شخص مانگنے لگے یا کوئی ایسا کام کیا جائے جو ہمیشہ کے لیے مثال بن جائے تو یہ کہاوت کہی جاتی ہے۔ اس کہاوت کے تعلّق سے ایک حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے :

کسی گاؤں میں ایک بنیا رہتا تھا۔ وہ رات کے وقت اپنے گھر میں سو رہا تھا۔ سوتے وقت ایک چوہا اُس کے پیٹ کے اوپر سے گزر گیا۔ چوہے کے

نکلنے کی سرسراہٹ سے بَنیے کی آنکھ کھُل گئی۔ وہ چونک پڑا اور چلاّ چلاّ کر رونے لگا۔ اُس کے رونے کی آواز سُن کر لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور اُس سے رونے کا سبب پوُچھا۔ بَنیے نے سارا واقعہ بیان کیا۔ لوگوں نے بَنیے سے کہا: اگر چوُہا پیٹ کے اوُپر سے نکل گیا ہے تو کیا ہوا؟ اس کے لیے رونا کیا؟ بَنیے نے جواب دیا: آپ لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ''یہ راستہ بُرا نکلا''۔ آج میرے پیٹ کے اوپر سے چوُہا نکل گیا ہے، کل بلّی نکلے گی، پرسوں سانپ نکلے گا اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اَب آپ لوگ ہی بتایئے کہ مَیں کیسے سُو سکوں گا اور جب سُو نہ سکوں گا تو زندہ کیسے رہوں گا؟

یہ سنسار کال کا کھاجا، جیسا گدھا ویسا ہی راجا

یہ تمام دُنیا موت کی خوراک ہے اور موت کے آگے امیر غریب، گدھا گھوڑا سب برابر ہیں۔ موت ہر چیز کو کھاجے کی طرح کھا جاتی ہے۔ موت اور
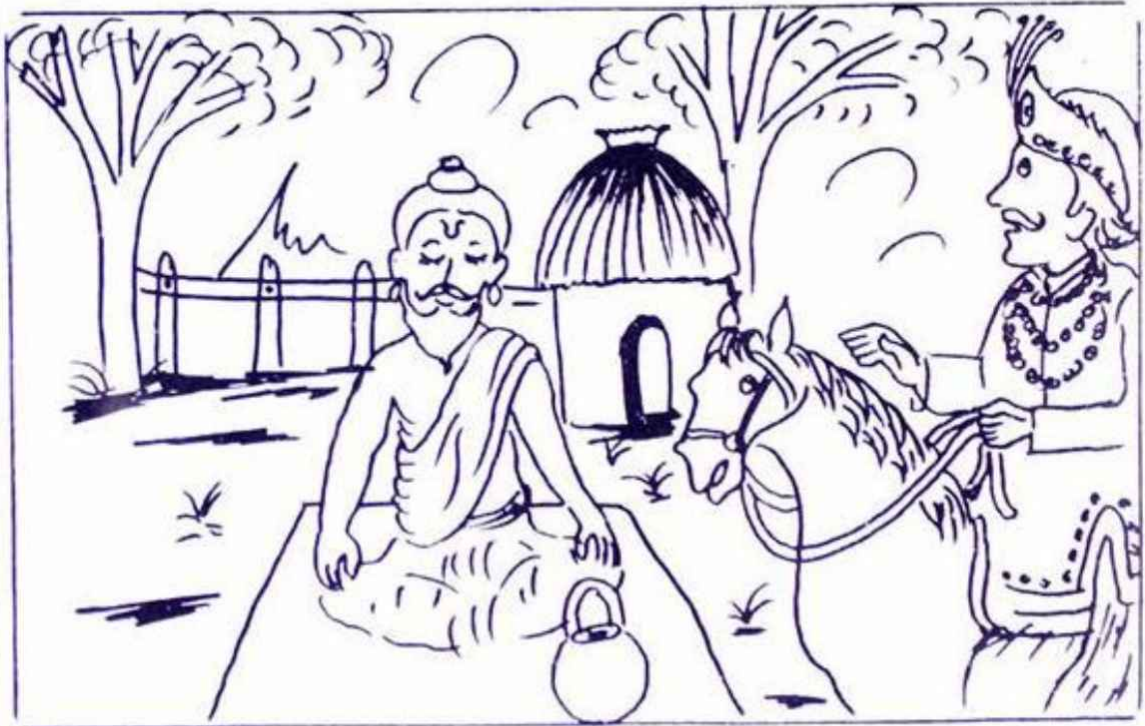
وقت سے کوئی نہیں بچ سکا ہے۔ تمام دُنیا موت کے مُنہ میں سما جاتی ہے۔ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ جب کوئی شخص گھمنڈ اور غرور کے نشے میں چور، کسی پر ظلم اور زیادتی کرے اور یہ بھول جائے کہ اُسے بھی مرنا ہے تو اس کہاوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کہاوت کے پس منظر میں ایک حکایت اس طرح

بیان کی جاتی ہے :

کسی دیش کا راجا سادھوؤں اور سَنتوں سے بغض وعناد رکھتا تھا۔ ایک بار وہ جنگل کی سَیر کے لیے نکلا۔ وہاں اُس نے دیکھا کہ ایک سَنت اپنی کُٹیا میں پوجا پاٹھ کر رہا ہے۔ راجا نے سادھو کو دیکھ کر طنز کرتے ہوئے کہا :

''جب دِیہہ کا آیا اَنت، گدھا جیسا سَنت''

اس کے جواب میں سادھو نے کہا :

''یہ سَنسار کال کا کھاجا، جیسا گدھا ویسا راجا''

یہ سُن کر راجا شرمندہ ہو گیا اور کِھسیا کر چلتا بَنا۔

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی مطبوعات

1. فرہنگِ روحِ نظیر	1989	Rs 60
2. فرہنگِ نظیر	1991	Rs 200
3. فرہنگِ فسانۂ آزاد اور اس کا عمرانی لسانیاتی مطالعہ	2000	Rs 500
4. دید و باز دید (تنقیدی تبصروں کا مجموعہ)	2002	Rs 200
5. کہاوتیں اور ان کا حکایتی و تلمیحی پس منظر	2003	Rs 225
6. کہاوت کتھا کوش (ہندی)	2005	Rs 250
7. تلمیحاتِ نظیر اکبر آبادی مع شخصیات	2006	Rs 375
8. رانی کیتکی کی کہانی کی فرہنگ	2008	Rs 300
9. رام پور میں اُردو افسانہ	2009	Rs 400
10. رانی کیتکی کی کہانی (مقدمہ)	2010	Rs 40
11. تیسری آنکھ (شعری مجموعہ)	2010	Rs 160
12. کہاوت اور حکایت	2011	Rs 600
13. باقیات کلامِ صابر رام پوری	2012	Rs 80
14. کہاوتیں اور ان کا حکایتی و تلمیحی پس منظر	2012	$ 46

15. چراغ تلے اندھیرا (باتصویر بچّوں کی کہاوتوں کا مجموعہ) 2013 Rs 200
16. رام پور کے چند قلم کار حصّہ اوّل، مرتّبہ: شاذیہ زرّین 2016 Rs 400
17. فن اور فن کار (مجموعۂ مضامین) 2016 Rs 400
18. اُردو کہاوتیں (پاکستانی ایڈیشن) 2016 Rs 480
19. ٹیڑھی کھیر (ہندی - باتصویر بچّوں کی کہاوتوں کا مجموعہ) 2017 Rs 200
20. ماہِ کامل (شعری مجموعہ ڈاکٹر حشمت اللہ لاری کاملؔ) 2017 Rs 100
21. فرہنگِ فسانۂ عجائب 2018 Rs 750
22. نقوشِ آواز، مرتّبہ: شگفتہ تبسّم 2018 Rs 400
23. رام پور کے چند قلم کار حصّہ دوم، مرتّب: شہپر شریف 2019 Rs 425
24. بڑے شہر کا بڑا چاند (باتصویر بچّوں کی کہاوتوں کا مجموعہ) 2020 Rs 200

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی دیگر زیرِ طبع و زیرِ ترتیب کتب

- ٭ اُردو کہاوتوں کی جامع فرہنگ (تحقیقی مقالہ برائے ڈی. لِٹ. ڈگری)
- ٭ رام پور کے چند قلم کار (حصہ سوم)
- ٭ احتسابِ فن (تحقیقی و تنقیدی مقالات و مضامین کا مجموعہ)
- ٭ متفرقاتِ شریف (ترتیب و تزئین: ڈاکٹر اسماء عزیز فاروقی)
- ٭ میزان و توازن (تحقیقی و تنقیدی مقالات و مضامین کا مجموعہ)
- ٭ جوہرِ ہند مولانا محمد علی جوہرؔ
- ٭ شاعرِ چہار بیت استاد قمرؔ رام پوری اور ان کا کلام
- ٭ کلّیاتِ نواب مرزا شوقؔ لکھنوی
- ٭ کلّیاتِ آتشؔ
- ٭ کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے (ہندی - باتصویر بچّوں کی کہاوتوں کا مجموعہ)
- ٭ فرہنگِ ریختی
- ٭ فرہنگِ امثالِ فارسی

- فرہنگِ امثالِ عربی
- رام پور میں اُردو چہار بیت
- کلامِ سعید (شعری مجموعہ قاضی سعید الدّین چشتی قادری)
- کلیدی خطبات
- غیر فرہنگی لغت
- آئینہ (شعری مجموعہ)
- کہاوت اور کتھا (ہندی)
- فرہنگِ تلمیحات
- نشیب وفراز (خودنوشت)
- اے ہندی - ہندی - انگلش - اُردو ڈِکشنری

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی شخصیت و جہات سے متعلّق مطبوعات

※ ڈاکٹر شریف احمد قریشی بحیثیت فرہنگ نویس — مُرتّب: ڈاکٹر ناصر پرویز

صدر شعبۂ اُردو، عبدالرزّاق پوسٹ گریجویٹ کالج، جویا، ضلع امروہہ

طبعِ اوّل : 2015 — قیمت : 300

⊙

※ ڈاکٹر شریف احمد قریشی: شخص اور شاعر — مرتبہ: ڈاکٹر اسماء عزیز فاروقی

صدر شعبۂ اُردو، ایم. ایچ. پوسٹ گریجویٹ کالج، مُرادآباد

طبعِ اوّل : 2017 — قیمت : 600

⊙

ملنے کے پتے

- اسلامک ونڈرس بیورو، 2660، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی، 110006
- کوہ نور پُستک سدن، عید گاہ گیٹ، رام پور، 244901
- رائل بک ڈپو، 734، اولڈ کٹرا، الہ آباد، 211002
- ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 3191، گلی وکیل، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی، 110006
- ڈاکٹر حشمت اللہ لاری، محلّہ قاضیانہ، گھاٹم پور، ضلع کان پور، 209206
- عبدالرؤف قریشی، 1567/ⒽⒹ 529، گلشن غفور، پنت نگر، جرم نگر، لکھنؤ، 226022

ڈاکٹر شریف احمد قریشی
کی شخصیت و فن سے متعلّق
زیرِ اشاعت و زیرِ ترتیب کتب

❊ ڈاکٹر شریف احمد قریشی: ادبی و علمی نقوش — مُرتّب: ڈاکٹر سمیع الدین خاں شاداب
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، ہندو کالج، مُرادآباد

⊙

❊ ڈاکٹر شریف احمد قریشی: حیات اور ادبی خدمات — ڈاکٹر شاکر حسین اصلاحی
صدر شعبۂ اُردو، مُرادآباد مسلم پوسٹ گریجویٹ کالج، مُرادآباد

⊙

❊ ڈاکٹر شریف احمد قریشی: حیات و جہات
ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی شخصیت و جہات سے متعلّق ادباء، نقاد اور محققین کے مضامین کا مجموعہ

⊙

ساجدہ قریشی کی مطبوعات اور زیرِ اشاعت وزیرِ ترتیب کتب

* فرہنگِ کُلّیاتِ انشاء	2011 Rs 850
* فرہنگِ باغ و بہار	2015 Rs 625
* تلمیحاتِ انشاء	2016 Rs 450
* فرہنگِ توبتہ النصوح (طبعِ اوّل)	2018 Rs 400
* فرہنگِ توبتہ النصوح (طبعِ دوم)	2019 Rs 400
* رشحاتِ قلم (مجموعۂ مضامین)	زیرِ ترتیب
* فرہنگِ ابن الوقت	زیرِ ترتیب

ملنے کے پتے

- اسلامک ونڈرس بیورو، 2660، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی، 110006
- ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 3191، گلی وکیل، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی، 110006
- رائی بک ڈپو، 734، اولڈ کٹرا، الٰہ آباد، 211002
- کوہ نور پستک سدن، عید گاہ گیٹ، رام پور، 244901
- عبدالرؤف قریشی، 1567/ڈ، 529، گلشن غفور، پنت نگر، بڑم نگر، لکھنؤ، 226022
- ڈاکٹر حشمت اللہ اراری، محلہ قاضیانہ، گھاٹم پور، ضلع کان پور، 209206

BADE SHAHR KA BADA CHAAND

(Baatasweer Bachchon Ki Kahawaton Ka Majmua)
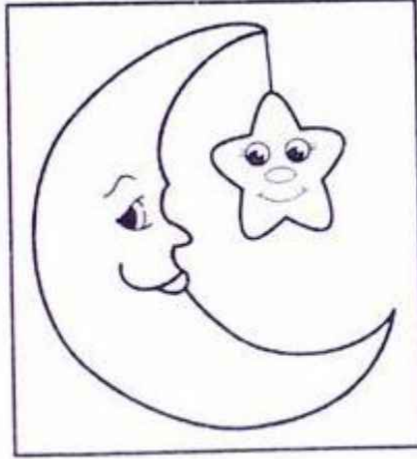
Dr. SHAREEF AHMAD QURAISHI

Ist Edition : 2020 Pages : 144 Price : Rs. 200
: 7078702997, 7906937665
e-mail : drquraishi@rediffmail.com, shareeframpur@gmail.com
ISBN : 819276145-2